اسلامی بینکاری اور صراط مستقیم
www.LearnIslamicBanking.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی بینکاری اور صراط مستقیم

بینکنگ کاروباری طبقہ کے لئے لوگوں میں دوڑتا لہو ہے۔اس کے بغیر تو بڑا یا درمیانہ تاجر یا صنعت کار اپنا کام نہیں چلاسکتا۔مروجہ بینکاری نظام کے سودی ہونے پر کسی کو شبہ نہیں۔اس لئے کاروباری حضرات کی بہت بڑی تعداد روز آخرت میں جواب دہی کے احساس سے فکرمند تھی مگر بینکاری سے مفر بھی نہ تھا،کیونکہ آپ کوئی چیز بنائیں،منگوائیں،بیچیں،خریدیں،درآمد کریں،برآمد کریں،ادائیگی کریں یا رقم وصولیں،ہر جگہ بینک کی ضرورت ہے،اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اسلامی بینکاری کا تصور دیا گیا،جس پر جمہور علماء کی تعداد دو حصوں میں بٹ گئی۔

پہلا حصہ جو اسلامی بینکاری کا تخلیق کار ہے اسے جائز قرار دیتا ہے اور دوسرا اسے ناجائز۔پہلے گروہ کے نزدیک یہ بینکنگ کے نظام کو اسلامی اصول تجارت کے مطابق ڈھالنے کی کوششوں کا آغاز ہے تو دوسرے کے نزدیک سود کو خوش نما الفاظ میں چھپانے کا حیلہ،ان میں کون درست ہے؟کون غلط یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں،ہم تو بس اتنا کرسکتے ہیں کہ دونوں طرف کے علما کے مکمل دلائل بغیر کسی قطع برید کے قاری کے سامنے رکھ دیں اور قاری کو یہ فیصلہ کرنے دیں،لیکن خود ہماری رائے اس کے بارے میں کیا ہے؟ہماری رائے وہی ہے جو ممتاز عالم دین مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کی ہے،ان کا کہنا ہے کہ دونوں جانب کے علماء نے اخلاص کے ساتھ اپنی رائے پیش کردی ہے،عام آدمی ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرسکتا ہے،اس پر گناہ نہ ہوگا،ہم سمجھتے ہیں کہ یہی درست اور معقول بات ہے،جو لوگ اسلامی بینکاری کو درست سمجھتے ہیں وہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے مقلد ہیں اور جو اسے درست نہیں سمجھتے وہ مولانا سلیم اللہ خان اور بنوری ٹاؤن کے فتوے کے پابند ہیں۔

اسلامی بینکاری کے حوالے سے یہ ساری بحث نہایت عالمانہ اور شائستہ ہے،بعض انفرادی تبصروں سے قطع نظر اس میں قرآن اور حدیث کے حوالے سے نہایت عمدہ اور دقیق نکات بیان کئے گئے ہیں،بحث میں آنی والی اصطلاحات اور انداز بیان قدرے مشکل ہے،تاہم اسلام پسند قاری اسکا بڑا حصہ لازماً سمجھ جائیں گے،ہم دونوں طرف کے دلائل ساتھ ساتھ دیتے جائیں

گے تا کہ قاری کو تقابل کرنے میں سہولت ہو، ہماری گزارش ہے کہ اس کوشش کو کسی بدنیتی کا رنگ نہ دیا جائے۔ یہ مسئلے کو سمجھنے کے لئے پورے اخلاص سے کی گئی ایک کوشش ہے اور اس میں ہم سے کوئی سہو ہوتا ہے تو ہم اپنے رب سے، علمائے کرام سے اور قارئین سے پیشگی معذرت خواہ ہیں، اس بحث میں شریک ہونے کے لئے تمام اہل علم کو کھلی دعوت ہے، بس انداز بیاں شائستہ ہو، کسی پر چھینٹے نہ اڑائے جائیں اور شائع شدہ دلائل کی تکرار نہ ہو، کوئی نئی بات یا نیا نکتہ ہونا چاہیئے، ہم اسلامی بینکاری پر اعتراض کرنے والے علمائے کرام کا بھی حد درجہ احترام کرتے ہیں، مگر ان سے صرف یہ گزارش کرنے کی جسارت کریں گے کہ اگر یہ طرز بینکاری بھی اسلام کے مطابق نہیں تو وہ کیوں ایک اسلامی بینکنگ کا نظام پورے شرعی لوازمات کے ساتھ تجویز نہیں کرتے؟ سوال یہ ہے کہ عام آدمی کی مشکلات دور کرنے کا متبادل کیا ہو؟ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا دیا ہوا متبادل اگر درست نہیں تو آپ کوئی متبادل نظام دے دیں تا کہ مالیاتی ادارے اسے اختیار کرسکیں اور لاکھوں لوگ سود کا وبال اپنی گردن پر لینے سے بچ جائیں۔ (ادارہ)

اسلامی بینکاری .... حلال یا حرام

تین ہفتے قبل جب ''اسلامی بینکنگ'' کے پس منظر میں پیدا ہونے والی اختلافی صورتحال پر رپورٹ تیار کرنے کے لئے مجھے اسلام آباد طلب کیا گیا تو میرے دل و دماغ تفکرات کی آماجگاہ بن گئے تھے، کیونکہ پیدا شدہ صورت حال کی وجہ دو فقہی مؤقف تھے، ایک مؤقف کے سرخیل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں، جب کہ دوسرے مؤقف کی قیادت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ کررہے ہیں، جنہیں میں اس دور کا ابن حجر عسقلانی سمجھتا ہوں، دونوں ہی شخصیات حد درجے قابل احترام ہیں اور میری معمولی سی غلطی دینی و اخلاقی لحاظ سے میرے لئے ہی خسارے کا سودا ثابت ہوتی، چنانچہ کام کے دوران میں نے خود کو بار بار کہنا شرع کردیا ''احتیاط بہت احتیاط'' میں نے تین ہفتے اس صورتحال کو سمجھنے میں صرف کئے اس دوران بلا مبالغہ میں سینکڑوں علمائے کرام سے ملا، چھ ہزار صفحات سے زائد مواد میری نظر سے گزرا اور میں کراچی اور اس کے اطراف اس قدر پھرا کہ

میرے گھٹنے کی قدیم انجری ایک بار پھر کسی سوئے ہوئے آتش فشاں کی طرح بیدار ہوگئی، میری ترجیحات میں شامل تھا کہ دونوں اکابر سے ملاقات اور انٹرویو بھی ہو، مگر حضرت مولانا سلیم اللہ خان ناسازی طبع سے گزر رہے تھے اور مولانا محمد تقی عثمانی بلاد حجاز سے، چنانچہ دونوں بزرگوں سے ملاقات نہ ہو پائی، تجویز یہ تھی کہ چھ یا سات اقساط پر محیط ایک ایسی مفصل رپورٹ لکھی جائے، جس کے ذریعے قارئین ''امت'' تک پوری صورتحال پہنچ پائے، مگر اسے میری کاری گری کہہ لیجئے کہ دونوں بزرگوں کے مؤقف پر طویل قلم کاری سے دامن بچانے کی غرض سے میں نے ایک نسبتاً مشکل راہ چن لی جو دونوں اکابر کے دستیاب مؤقف کو پوائنٹ ٹو پوائنٹ مرتب کر کے آپ کے سامنے رکھ دی ہے، اور ساتھ ہی دارالعلوم کراچی کے جید علمائے کرام کے وہ لیکچر بھی پیش کر دیئے ہیں جو ''اسلامی بینکنگ'' کا مفصل خاکہ ہیں۔

اس تھکا دینے والے کام سے خود کو فارغ بھی نہ سمجھ پایا تھا کہ سوال ہوا کہ ''آپ کی رپورٹ کہاں ہے؟'' گویا کاریگری دھری کی دھری رہ گئی، البتہ یہ رعایت ضرور مل گئی کہ رپورٹ سے ''مفصل'' کی شرط ختم کر دی گئی، چونکہ یہ صورتحال خالصتاً علمی اور دینی ہے، اس لئے یہ بددیانتی ہوگی کہ میں اپنے اخذ کردہ نتائج کو چھپاؤں یا کوئی بھی منافقانہ راہ اختیار کروں، یہ صراحت اور وضاحت ابتداء میں ہی لازم سمجھتا ہوں کہ نہ کسی اسلامی بینک کا ایڈوائزر رہوں، نہ کسی اسلامی بینک میں میرا کوئی اکاؤنٹ ہے اور نہ ہی کسی اسلامی بینک سے میرا کسی بھی قسم کا مالی مفاد وابستہ ہے، یہ وضاحت بھی غیر ضروری نہ ہوگی کہ میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا شاگرد ہوں اور نہ ہی مرید، ہاں! اگر ایسا ہوتا تو یقیناً میرے لئے باعث سعادت ہی ہوتا اور میرے لئے یہ اسی طرح سرمایہ افتخار رہتا جس طرح میرے دونوں شیوخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور حضرت مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ سے میری نسبت روحانی ہے۔

گزشتہ برس میں کراچی میں ہی تھا جب خبر ملی کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے کچھ علماء کی موجودگی میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو جامعہ فاروقیہ کراچی میں ایک خط پڑھ کر سنایا جو مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی جانب سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ہی کے نام تھا، خط سنا کر ان کے حوالے کر دیا گیا اور ان کا مؤقف سنے بغیر مجلس برخاست کر دی گئی، یہ واقعہ جس نے بھی سنا حیران ہی نہ ہوا بلکہ دنگ رہ گیا، کراچی کے علماء کی مجالس میں آج بھی یہ تلخ واقعہ زیر بحث ہے اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ساتھ کئے گئے برتاؤ کو کچھ حضرات توہین آمیز تو کچھ ''نامناسب'' قرار دیتے ہیں، وہ خط پبلک ہو چکا ہے اور اس کا لب ولہجہ اپنے اندر کئی سوالات رکھتا ہے، مگر دو باتیں نہایت اہم ہیں۔

ایک تو یہ کہ اس خط میں محض سنی سنائی بات کی بنیاد پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو ''اپنے منہ میاں مٹھو'' قرار دیا گیا ہے وقت کے شیخ الاسلام کے لئے ان الفاظ کے استعمال نے ہم جیسے عقیدت مندوں پر کوئی خوشگوار اثرات مرتب نہیں کئے۔

دوسری بات یہ کہ اس خط کا اختتام قرآن مجید کی سورۃ ''ق'' کی اس آیت پر کیا گیا۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ

وَ هُوَ شَهِيْدٌ ". [سورة ق،آیت : ۳۷]

ترجمہ: ''اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر''۔ [تفسیر عثمانی، ص:۶۹۰]

مکتوب کے سیاق وسباق پر بار بار کے غور سے بھی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس آیت کو مصنوعی لحاظ سے اس مکتوب کے لئے استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ مفسرین نے اس سے قرآن مجید مراد لیا ہے۔ یہ میری حیثیت نہیں کہ اس ضمن میں از خود کچھ نگارش کرسکوں۔ زیادہ مناسب اور بلیغ یہ ہوگا کہ اپنے شیخ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے اس مضمون کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کروں جو انہوں نے اپنے شیخ کی یاد میں لکھا اور ماہنامہ بینات میں ''میرے شیخ بنوریؒ کی حسین یادیں'' کے عنوان سے شائع ہوا، حضرت لکھتے ہیں ''بینات'' کے بصائر وعبر، حضرت تحریر فرماتے تھے اور یہ ناکارہ اسے صاف کرکے کتابت کے لئے دیئے جاتا، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بصائر وعبر میری روانگی کے بعد تحریر فرمائے جاتے ایک دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا کہ، جب پرچہ چھپ کر میرے سامنے آیا تو بصائر وعبر کے نیچے یہ آیت کریمہ درج تھی۔

" هٰذا بَصَائِر من ربكم ".

میں اس آیت کو پڑھ کر تلملایا، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا، اگلے مہینے کے بصائر وعبر میری موجودگی میں تحریر فرمائے، ان پر بھی یہ آیت درج تھی، میں آیت حذف کردی، پرچہ چھپ کر سامنے آیا تو آیت کا حذف کرنا حضرت کو ناگوار گزرا، چنانچہ اس سے اگلے مہینے جب حضرت نے بصائر وعبر تحریر کرکے بھیجے تو یہ آیت کریمہ پھر تحریر فرمائی اور صاحبزادہ گرامی کے ہاتھ پیغام بھی بھیجا کہ یہ آیت حذف نہ کی جائے، حضرت نماز عصر سے فارغ ہوکر ابھی اپنی جگہ تشریف فرما تھے کہ یہ ناکارہ حاضر خدمت ہوا، اس ناکارہ کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب حضرتؒ مدرسہ میں تشریف فرما ہوتے تو عصر کے فوراً بعد حضرت کے اٹھنے سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچ جاتا اور عرض کیا کہ صاحبزادہ کے ہاتھ پیغام موصول ہوا تھا کہ یہ آیت حذف نہ کی جائے، میں نے حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کسی تحریر میں پڑھا کہ یہ بھی ایک طرح سے قرآن کریم کی تحریف ہے، سوال یہ ہے کہ آیت کریمہ ''هذا بصائر من ربكم'' کا اشارہ کیا آپ کے بصائر وعبر کی طرف ہے؟ حضرت نے تامل کے بعد فرمایا کہ پھر رہنے دیجئے۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ حضرت کی تواضع، للّٰہیت وانابت اور رجوع الی الحق کی بلند ترین مثال ہے، حضرتؒ کے علم وفضل کے سامنے اس ناکارہ کی وہ حیثیت بھی نہیں تھی جو آفتاب کے سامنے ذرے کی ہوسکتی، اس کے باوجود حضرتؒ نے اس ناکارہ کی عرضداشت کو قبول فرمالیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اس گستاخی پر پتہ ہی کاٹ دیتا، افسوس ہے کہ بہت سے دینی رسائل میں بے احتیاطیاں ہورہی ہیں اور قرآن کریم کی آیات مقدسہ کو پرچوں کی زینت کے لئے بے محل چسپاں کیا جاتا ہے، نہیں معلوم کہ ان حضرات کو کوئی ٹوکنے والا نہیں یا قلوب میں رجوع الی الحق کی استعداد نہیں رہی۔

[شخصیات وتاثرات: از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، ص ۱۵۰،۱۵۱]

جامعہ فاروقیہ میں پیش آنے والے واقعے کے بعد ایک فتویٰ منظر عام پر آچکا ہے جو ''اسلامک بینکنگ'' کو ناجائز، حرام اور غیر اسلامی قرار دیتا ہے، یہ فتویٰ مدرسہ بنوریہ ٹاؤن نے جاری کیا ہے اور ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے اس حوالے سے بالترتیب چند امور تجزیاتی طور پر پیش خدمت ہیں۔

۱۔ اس فتوے کو ''اسلامی بینکاری'' پر علما'' کا متفقہ ''فتویٰ قرار دیا جارہا ہے، اس فتوے کے تمام حامی لفظ ''متفقہ'' کا پرزور پرچار فرمارہے ہیں، جو میری نظر میں قطعاً غلط ہے، کیونکہ اسلامی بینکاری ایک اختلافی مسئلہ ہے، اہل علم کا ایک مکتبہ فکر اسے جائز قرار دیتا ہے، جب کہ دوسرا حرام، دونوں ہی فریق اس پر اپنے اپنے مؤقف کے حق میں فتوے جاری کرچکے ہیں، ایسی صورت میں کسی بھی فتوے کو ''متفقہ'' کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ متفقہ وہی چیز ہوتی ہے جس میں دو فریق نہ ہوں، مولانا مفتی محمد تقی عثانی نے تو کبھی بھی اپنے فتوے کو متفقہ قرار نہیں دیا، سمجھ سے بالاتر ہے کہ فریق ثانی اپنے فتوے کے لئے ''متفقہ'' کے لفظ کا اس قدر پرچار کیوں کررہا ہے، جبکہ یہ ہے بھی خلاف واقعہ۔

۲۔ اس فتوے کا پیش لفظ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا ہے، حضرت اسی پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی اسلام اور بینکاری اپنی بنیادی خصوصیات اور اہداف کی وجہ سے دو متضاد حقیقتیں ہیں، اس لئے اس معنی میں نہ تو بینکاری کا اسلامی تصور قابل قبول ہے اور نہ اسلام اور بینکنگ کو جمع کرنا ممکن ہے''۔

[مروجہ اسلامی بینکاری: ص:۱۵]

گویا حضرت کا مؤقف یہ ہوا کہ بینکاری کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا سرے سے ممکن ہی نہیں، جب بھی جہاں بھی اور کوئی بھی اسلامی بینکاری کے نام سے کوئی منصوبہ پیش کرے گا وہ غیر اسلامی ہی ہوگا، جب کہ حضرت کا یہ پیش لفظ جس فتوے پر ہے وہ کہتا ہے۔

''جہاں تک صحیح اسلامی بنیادوں پر اسلامی بینکاری کے قیام کے لئے نیک جذبات اور کوششوں کا تعلق ہے ان کے محمود مطلوب اور قابل ستائش ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک شرکت اور مضاربت کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے قیام کے امکانات کا تعلق ہے، اس پہلو سے کلام کی گنجائش ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، تاہم اتنی بات پر سب متفق ہیں کہ مروجہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی بینکنگ میں شرکت و مضاربت کی بنیاد پر کسی تمویلی نظام (FinancingSystem) کی تشکیل و ترویج ناممکن نہ سہی، مشکل اور دشوار ضرور ہے''۔

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۴۲،۴۳]

حضرت کے دستخط اس عبارت پر بھی ہیں اور یہ فتویٰ ہے، ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا سوال یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ مؤقف ہیں، دونوں متضاد بھی ہیں اور دونوں پر حضرت کے دستخط ہیں، ان میں سے حضرت کا حتمی مؤقف کون سا ہے؟ یہ غیر معمولی

سوال ہے، کیونکہ اہل فتویٰ یہ امکان برقرار رکھ رہے ہیں کہ مستقبل میں بینکاری اسلامی سانچے میں ڈھل سکے، جبکہ حضرت کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں۔

۳۔ اسی ناممکن کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں۔

''احقر کا خیال ہے اگر شراب نوشی کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا، قمار اور جوئے کو اسلام ناجائز اور حرام بتاتا ہے تو ایسا بینکاری نظام جس میں اسلام سے زیادہ یہود کے جاری کردہ سرمایہ داری بینکاری نظام کی ترجیحات اور تقاضے پورے کئے جا رہے ہوں، اس کو اسلام کے نام پر کیونکر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟''

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۱۶]

میرے خیال میں بینکاری، شراب نوشی اور جوئے کی طرح نہیں بلکہ جسمانی تعلق کی طرح ہے جو جائز بھی ہوسکتا ہے اور ناجائز بھی، حلال بھی ہوسکتا ہے اور حرام بھی، دونوں میں مطابقت یہ ہے کہ بینکاری اور جسمانی تعلق انسان کے لئے ''ضرورت'' کا درجہ رکھتے ہیں، جبکہ شراب نوشی اور جوا محض عیاشی ہے، ''ضرورت'' ہرگز، ہرگز نہیں، جس طرح جسمانی تعلق کو حضرات علماء ''نکاح'' پڑھا کر جائز کر سکتے ہیں اسی طرح بینکاری کو شرعی تقاضے پورے کر کے علماء ہی جائز صورت بھی دے سکتے ہیں۔

۴۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''بلکہ سچ بات یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کی عملی تصویر سے یہی تاثر مل رہا ہے کہ چند ظاہری فوائد کے نام پر ثابت شدہ اسلامی احکام سے فرار اور ایمانی تقاضوں سے پہلوتہی کا معاملہ ہو رہا ہے''۔ [مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۱۷]

سوال یہ ہے کہ سود تو نص قطعی سے حرام ثابت ہے اور کوئی مسلمان اسے قولی یا عملی طور پر حلال قرار دینے کے بعد مسلمان ہی نہیں رہ سکتا، ایسی کوئی بھی کوشش صریح کفر کا درجہ رکھتی ہے تو اگر کفر ہی اختیار کرنا ہو تو اس کے لئے اسلامی بینکاری کی کیا ضرورت؟ یہ کام تو اس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور ایسی صورت میں یہ ''ظاہری فوائد'' اسلامی بینکاری کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر حاصل ہو سکتے ہیں، میرے خیال میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور ان کا مکتبہ فکر اتنا شعور تو رکھتا ہی ہوگا کہ اگر وہ محض ''ظاہری فوائد'' کے لئے سود جیسے حرام کو حلال قرار دیں گے تو دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائیں گے۔

۵۔ کتاب کے اسی صفحہ پر حضرت اپنے مکتبہ فکر کے کچھ اصحاب کے نام نقل فرماتے ہیں۔

''ان سب کو نظر انداز کر کے صرف اکیلے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی تحقیق پر انحصار سمجھ سے بالاتر ہے''۔

چونکہ بادی النظر میں یہ محض تبصرہ ہے، دلیل نہیں، اس لئے تبصرتاً ہی گزارش ہے کہ ''اکیلے'' تو امام مالک رحمہ اللہ بھی تھے، جب طلاق بالجبر کے عدم وقوع کے فتوے کی پاداش میں مدینے کی گلیوں میں رسوا کئے گئے، ''اکیلا'' تو وہ منصور حلاج بھی تھا جسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور ''اکیلے'' ہی وہ حضرت حسین ؓ بھی تھے جو کربلا میں تہہ تیغ کر دیئے گئے، اب کیا کیجئے کہ وقت کی سولی پر چڑھتا شخص تاریخ کے ہر جوڑ پر ''اکیلا'' ہی نظر آتا ہے، مگر جب تاریخ فیصلہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتی ہے تو پھر وہ ''اکیلا'' نہیں رہتا۔

۶۔ حضرت مزید تحریر فرماتے ہیں۔

''اگر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے فتوے کی صرف مفاداتی بنیادوں پر قابل قبول سمجھا جاتا ہو اور اسی بنیاد پر ان کی تحقیق کو اول و آخر سمجھا جاتا ہو تو پھر یہ اتباع ہوئی ہے، اتباع شریعت نہیں ہے''۔

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۱۸]

اس عبارت میں ''اگر'' کی شرط خود واضح کر رہی ہے کہ حضرت کو یہ یقین نہیں ہے کہ اسلامی بینکاری محض مفادات کے لئے اختیار کی جاری ہے ورنہ ''اگر'' کی شرط نہ ہوتی، اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسے اتباع ہوئی (نفسانی خواہش) صرف اس صورت سمجھتے ہیں اگر صرف مفاداتی بنیاد پر قابل قبول سمجھا جاتا ہو'' یعنی اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ اتباع شریعت ہی ہے''۔

اہل علم جانتے ہیں شریعت کے تمام احکامات ظاہر پر لاگو ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ میں کلمہ پڑھتے شخص کو قتل کردینے والے صحابی سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا تھا دل سے نہیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"هلا شققت قلبه".

ترجمہ: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟

محدثینؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا تھا؟ اسی طرح حضرت عمر ؓ کا ارشاد ہے:

"نحن نحكم بالظاهر و الله يتولى السرائر".

ترجمہ: ہم ظاہر کا فیصلہ کرتے ہیں، غیب کی باتوں کا اللہ ﷻ ہی متولی ہے۔

۷۔ چونکہ پورے ملک میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ساتھ جامعہ فاروقیہ میں کئے گئے برتاؤ پر گفتگو ہو رہی ہے، اس لئے حضرت فرماتے ہیں ان کا مؤقف تو ان کی کتابوں کی صورت موجود تھا اور ''اس لئے مستقل طور پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو اعتماد میں لینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ [مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۱۹]

ممکن ہے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس کی ضرورت محسوس نہ فرماتے ہوں، مگر شرعی معاملات ہوں خواہ عمومی معاملات، وضاحت کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی ہے، مثلاً یہی دیکھ لیجئے آج سے ٹھیک تیس یا انتیس برس قبل مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فتویٰ دیا کہ بینک زکوٰۃ کاٹ سکتے ہیں، اس پر حضرت مولانا مفتی محمود کو تحفظات تھے، جب وہ کراچی تشریف لائے تو عثمانی برادران سے رابطہ کرکے ایک عالمی نشست مدرسہ بنوری ٹاؤن میں طے فرمائی اور دونوں ہی بھائی وقت مقررہ پر تشریف لے آئے، اس مجلس میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی مفتی احمد الرحمٰنؒ بھی موجود تھے، مولانا مفتی محمود نے گفتگو ہی یہاں سے شروع کی کہ ''پہلے میں اپنا مؤقف پیش کروں یا آپ پیش کرنا چاہتے ہیں.........؟ غور کیجئے جس تاریخ کو یہ واقعہ ہوا یہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا آخری دن

تھا اور اسی مجلس میں مفتی محمود رحمہ اللہ نے جان اپنے رب کے حوالے کر دی، اس وقت مفتی محمد تقی عثانی صاحب کی عمر بہت بھی رہی ہو تو تیس سے پینتیس سال رہی ہوگی، کیا علم کا وہ پیرانہ سال پہاڑ اور کہاں نو جوان مفتی محمد تقی عثانی، مگر مفتی محمود پھر بھی مؤقف سننے اور سنانے کے لئے یاد فرمایا جو ظاہر کرتا ہے کہ مفتی محمود رحمہ اللہ کے دل میں نو جوان مفتی محمد تقی عثانی کا مقام بہت بلند تھا، وہ صرف اپنی بات سنا کر "ایئرپورٹ" جانے کا ارادہ نہ کئے بیٹھے تھے، بلکہ مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب کا مؤقف سننا چاہتے تھے، اگر مولانا مفتی محمد تقی عثانی کا مؤقف سننا ضروری نہ ہوتا تو مفتی محمودؒ بھی یہ کہہ کر ایک یک طرفہ نشست کر کے فتویٰ داغ دیتے کہ مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب کا مؤقف تو ان کے فتوے کی صورت ہم دیکھ چکے، اسے بدقسمتی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ مفتی محمود جیسا عظیم مفتی تو نو جوان مفتی محمد تقی عثانی کو سننے کی ضرورت محسوس کرتا تھا، مگر مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس پیرانہ سال مولانا مفتی محمد تقی عثانی کا مؤقف سننے کی ضرورت محسوس نہ کر سکے جو آج شیخ الاسلام کے منصب پر بھی فائز ہو چکے ہیں، مفتی محمود اور مفتی محمد تقی عثانی کی اس تاریخی مجلس کی روئیداد مولانا یوسف لدھیانوی شہید کی کتاب "شخصیات وتأثرات" صفحہ 188 پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۸۔ اسی پیش لفظ میں آگے چل کر حضرت رقم فرماتے ہیں:

"یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس وقت دو فریقوں کے درمیان اختلاف ہے، ایک فریق ان ارباب فتویٰ کا ہے جنہوں نے متفقہ فتویٰ دیا ہے، وہ پورے ملک کے معروف اور مستند مفتی حضرات ہیں، وہ کسی بینک کے ملازم نہیں، نہ لاکھوں روپے بینک سے وصول کرتے ہیں، ان کے فتوے کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہیں ان کا فتویٰ اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہے"۔ [مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۲۲]

حضرت کا ارشاد بسر وچشم اور خدا شاہد ہے کہ ان بزرگوں میں سے ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات کے لئے میرے لئے بھی یہی جذبات ہیں، انہوں نے یقیناً اخلاص اور للّٰہیت کی وجہ سے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مولانا مفتی محمد تقی عثانی کے موقف کا حامی ہوتا تو کیا تب بھی اسے اخلاص وللّٰہیت کا مقام عطا کیا جاتا؟ جواب ہے کہ "نہیں" حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

"دوسری طرف سے اکثر وہ حضرات ہیں جو بینکوں کے ملازم (ایڈوائزر مفتیان کرام کی جانب اشارہ) ہیں اور ان کے مالی مفادات بھی بینکوں سے وابستہ ہیں، وہ متفقہ فتویٰ کو ماننے سے ممکن ہے اس لئے انکار کرتے ہوں کہ اس فتویٰ کو قبول کرنے میں ان کے مالی مفادات پر زد پڑ سکتی ہے اور شاید کچھ ایسے بھی ہوں جو مفتی محمد تقی عثانی صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی مبینہ مہارت کے پیش نظر ان کی ہم نوائی کر رہے ہیں، واللہ اعلم بالصواب"۔

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۲۲]

فریق اول کو تو حضرت نے اخلاص وللّٰہیت کی سند اپنے دست شفقت سے ہی عطا کر دی جب کہ فریق دوم کو مفاد پرست قرار دے کر معاملہ "واللّٰہ أعلم بالصواب" (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) سپرد کر دیا، میری نظر میں دونوں ہی فریق حضرت کی شفقت

کے یکساں مستحق ہیں، دونوں ہی کی دیانتداری شک وشبہ سے بالاتر ہے اور دونوں اطراف کے اکابر اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں، رہ گیا دلوں اور غیب کا معاملہ تو "واللّٰہ أعلم بالصواب"۔

یہ تو ہوا حضرات کا پیش لفظ اب آیئے فتویٰ کی جانب، فتویٰ کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس قلم سے نکلا وہ فی الواقع چومنے کے لائق ہے اگر کبھی یہ جان پایا کہ یہ کس نے رقم کیا ہے تو اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا خود پر قرض اور فرض سمجھتا ہوں کیونکہ فتوے کی عبارت نے شائستہ اور خوبصورت علمی اختلاف کے سلیقے کو پوری اسلامی تاریخ کو زندہ کر دیا ہے، بلاشبہ اس پاکیزہ اور مقدس ہاتھ پر اللہ ﷻ کا خصوصی فضل وکرم رہا ہے، میں اس فتوے پر صد آفرین نچھاور کرتا ہوں، اس لئے نہیں کہ اس سے فتوے کو کوئی فائدہ پہنچ سکے گا بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنے سے میری سعادت میں اضافہ ہوگا۔

اس فتوے کے حوالے سے مجھے لاتعداد تحفظات ہیں، مگر میں اس پر کسی علمی بحث سے پرہیز ہی کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ ایک فتویٰ ہے اور میں مفتی نہیں ہوں، اگرچہ مفتی بنا اس فتویٰ کے ایک دستخطی مفتی حبیب اللہ شیخ نے اس قدر آسان کر دیا ہے ہفتے کے سات میں سے پانچ دن یومیہ صرف ایک گھنٹہ صرف کر کے ایک برس میں مفتی کا خطاب حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے، مگر میں اس طرح کا ''ریڈی میڈ مفتی'' بننے سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں، ایک سائل کی حیثیت سے میں صرف سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں، میرا پہلا سوال فتوے کے درجہ ذیل تین اقتباسات کے پاس منظر میں ہے، اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جمہور کا مؤقف صریح نصوص اور واضح شرعی اصولوں پر مبنی ہے اور مولانا مدظلہم (مفتی محمد تقی عثانی) کے مؤقف کی بنیاد غیر ضروری حیلوں اور رخصتوں پر ہے، نصوص شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مقابلے میں حیلوں کا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔'' [مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۵۳]

(۲) ''حیلے اپنی شروط وآداب کے ساتھ جواز وقتی اور متحقق الوجود ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے، حیلوں کو خواہ جواز کے تقاضے پورے ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، مستقل عادت، دائمی نظام اور مستقل ضابطوں کے طور پر اختیار کرنا اور معمول بنا لینا نتیجتاً شرعی مزاج کی خلاف ورزی، اسلامی احکام سے فرار، اصل شریعت کا تعطل اور محرمات الٰہیہ کو حلال کرنے کے لئے بہانے بن جاتا ہے، اس لئے ایسے حیلوں کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں''۔

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۲۲۹]

(۳) اسی طرح یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ جو معاملات حیلہ سازیوں پر مبنی ہوں وہ فساد سے خالی نہیں ہوتے ....

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۲۳۱]

اب آیئے اس سوال کی جانب جو ان اقتباسات کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، حضرات مفتیان کرام سے مخفی نہ ہوگا کہ چھوٹے سے لے کر بڑے مدارس تک بالعموم اس روایت پر عمل ہو رہا ہے کہ مدرسہ طلبا کے نام پر جو زکوٰۃ وصول کرتا ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ طالب علم زکوٰۃ کی ملکیت حاصل کرے، جسے فقہی اصطلاح میں ''تملیک'' کہتے ہیں، اگر مستحق زکوٰۃ، ادا کی گئی زکوٰۃ کی تملیک

حاصل نہ کر پائے تو زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی، مدارس میں طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے فارم پر طالب علم مدرسے کے مقررہ شخص کو اپنا وکیل مقرر کر کے دستخط کرتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی شرائط ایسی ہیں کہ طالب علم وکیل تو مقرر کر سکتا ہے مگر وکالت سلب نہیں کر سکتا، حالانکہ مقرر کرنے کا اختیار اس کے پاس ہے تو برخاست کرنے کا بھی ہونا چاہیئے، اسی طرح فرض کیجئے ایک مدرسے میں ایک ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں اور مدرسے کے کسی ڈونر نے ان ایک ہزار طلباء کے پورے سال کے اخراجات کے لئے ایک کروڑ روپے زکوٰۃ دی تو گویا حق وکالت استعمال کرتے ہوئے ادارہ ایک ہزار طلباء کی جانب سے یہ زکوٰۃ وصول کر لیتا ہے جو فی طالب علم دس ہزار بنتے ہیں، اب اگر ایک طالب علم تعلیمی سال کے دس ماہ میں دو ماہ بعد مدرسہ چھوڑتا ہے یا اس کا اخراج کر دیا جاتا ہے تو کیا اس کے بقیہ آٹھ ہزار روپے اسے ادا کئے جاتے ہیں؟ جواب ہے کہ نہیں، کیونکہ وکالت ہی نہیں بلکہ تملیک تک حاصل کر لی جاتی ہے اور اگر طالب علم کو داخلہ چاہیئے تو وہ ان شرائط کو قبول کرنے پر مجبور ہے، وکالت اور تملیک کا یہ پورا تصور محض "حیلہ" ہے اور اس حیلے پر بعض مدارس "تیس، تیس" اور بعض "چالیس، چالیس" سال سے عمل کر رہے ہیں اور اس نظام کی تبدیلی کا سرے سے کوئی تصور ہی موجود نہیں تو جو رعایت آپ اسلامک بینکنگ کو نہیں دے رہے ہیں اس پر خود "چالیس، چالیس" سال سے کیسے عمل کر رہے ہیں؟ حالانکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تو اسلامک بینکنگ کے سانچے کو مکمل اسلامی صورت میں ڈھالنے پر ابھی کام کر رہے ہیں اور کسی بھی موڑ پر انہوں نے یہ اعلان نہیں کیا کہ "کام مکمل ہو گیا" ڈھائی سو نہ سہی، ڈھائی صفحوں کا فتویٰ اس "حیلے" کیخلاف بھی آجانا چاہیئے جو چالیس چالیس برس سے مروج ہے، مگر میرا دعویٰ ہے کہ نہیں آئے گا، کیونکہ یہ حیلہ "متفقہ" ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ فتویٰ مروجہ اسلامک بینکنگ کو سودی ہونے کی بنا پر نہیں، بلکہ "سود کے شبہ" کی بنیاد پر حرام قرار دیتا ہے، جب کہ مدارس عربیہ کے بینک اکاؤنٹس آج بھی ان بینکوں میں ہیں، جن کے غیر سودی ہونے کا چھ ارب انسانوں میں سے ایک بھی دعویدار نہیں، شرعی اصول یہ ہے کہ اگر دو برائیوں میں سے ایک کو اختیار کئے بنا چارہ ہی نہ رہے تو کمتر برائی کو اختیار کیا جائے گا مدارس عربیہ کے اکاؤنٹس کنوینشل بینکوں میں کیوں ہیں؟ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو کرنٹ اکاؤنٹ ہیں تو گزارش کر دوں کہ کرنٹ اکاؤنٹ صرف یہ ضمانت مہیا کرتے ہیں کہ آپ سود وصول نہیں کر رہے، یہ ہرگز نہیں کہ آپ کا سرمایہ سودی کاروبار میں استعمال نہیں ہو رہا، مدارس عربیہ کے پاکیزہ اور مقدس اموال جو بارہ ہزار مدارس کے اربوں ہو سکتے ہیں، پورا سال بینک کے "سودی" کاروبار میں کام آتے ہیں اور "سود" کو ترقی بخشتے ہیں۔

میرا تیسرا سوال حلال اور غیر حلال کی ایک بحث کے حوالے سے ہے، مذکورہ فتویٰ کے ایک دستخطی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی جھینگے کی حلت کا فتویٰ جاری کر چکے ہیں، جب کہ پاکستان کے علمائے جمہور اور وہ بھی واقعی علمائے جمہور اسے غیر حلال قرار دیتے ہیں، کیا یہ علمائے جمہور ان کے فتویٰ کو درست مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں اس بورڈ کا رکن کیوں بنایا گیا؟ اور کیوں نہ ایک ڈھائی سو صفحے کا فتویٰ ان کے خلاف بھی جاری کر لیا گیا؟ یاد رہے کہ جھینگے کے معاملے میں مفتی عبدالسلام چاٹگامی ہی کے مسلک کا پیرو کار ہوں۔

چوتھا سوال اس فتویٰ کے درجہ ذیل عبارت کے پس منظر میں ہے۔

''مولانا مدظلہم (مفتی محمد تقی عثمانی) پرتنقید کرنے والوں کی دوسری قسم بعض علمائے کرام ہیں جن کی تنقید کا محور مولانا مدظلہم کی فراہم کردہ فقہی بنیادیں تو ضرور ہیں مگر ان کی تنقید کے دو پہلو سقم سے خالی نہیں۔

ایک یہ کہ انہوں مروجہ اسلامی بینکاری کے عملی تطبیق نظام کی خرابیوں کا ذمہ دار بھی مولانا کو ٹھہرایا۔

دوسرا یہ کہ مولانا پرتنقید کرتے ہوئے ان کے مقام ومرتبہ سے قطع نظر خود اپنی عالمانہ شان کا پاس بھی نہیں رکھ سکے، ایسے حضرات کو اپنے طرز تنقید اور انداز تحریر و بیان پر ضرور نظر ثانی کرنی چاہیئے''۔

[مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۵۰]

یہ ایک قابل تحسین بات ہے اور یقیناً فتویٰ کمیٹی نے اسے اہم ترین سمجھا تھا، اسی لئے فتوے میں ذکر کرنے پر مجبور ہوئے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ناقدین کی یہ دوسری قسم جن کے خلاف فتویٰ اپنی زبان استعمال کرنے پر مجبور ہوا ایک اتنے عزیز کیسے ہوگئے کہ اسی فتویٰ پر ان کے دستخط بھی لے لئے؟ میں شرعی امور میں اشاروں اور کنایوں کا قائل نہیں، بلکہ صراحت سے کہتا ہوں کہ فتویٰ کا مذکورہ پیراگراف حبیب اللہ شیخ اور زرولی خان کو پیش نظر رکھ کر اگر نہیں بھی لکھا گیا تو وہ اس کے اولین مصداق تو ضرور ہیں اور یہ ثابت کرنے کے لئے مجھے کسی کمیٹی کی معاونت کی ضرورت بھی نہ ہوگی، اس فتوے پر دستخط کے باوجود زرولی خان نے اپنے جریدے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کو ''دریدہ دہن'' قرار دیا ہے، اب یہ فتویٰ درست ہے کہ زرولی خان؟ میری نظر میں حبیب اللہ شیخ اور زرولی خان جیسے لوگوں کے دستخط اس خوبصورت فتویٰ کے لئے ''وزن'' نہیں بلکہ ''بوجھ'' کا درجہ رکھتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتویٰ پر دستخط لیتے وقت کسی معیار کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

زرولی خان کی قرآن پر نظر کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے لگا لیجئے کہ اس خوبصورت فتویٰ کی تائید و حمایت میں انہوں نے اپنے جریدے کا جو ''خصوصی شمارہ'' نکالا ہے اس میں اپنے ہی قلم سے لکھے اداریئے ''سورہ ق'' کی آیت جو اس رپورٹ کے شروع میں گزر چکی ''تین فحش'' تشریحات کے ساتھ نقل کی ہے، ملاحظہ کیجئے، انہوں نے یہ آیت یوں نقل کی ہے:

" ان فی ذلک لعبرة لمن کان له قلب أو ألقی السمع و هو الشهيد ".

اب غلطیاں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آیت میں اصل لفظ ہے ''لـــذکـــــریٰ'' زرولی خان کو شاید یہ لفظ پسند نہ آیا اور صوابدید اختیارات کے تحت اس کی جگہ ''لعبرة'' کا لفظ ڈال لیا۔

۲۔ آیت اس طرح ختم ہوتی ہے۔ " وهو شهيد " شیخ التفسیر زرولی خان کو یہ بھی پسند نہ آیا اور انہوں نے اپنے صوابدیدی اختیارات کا مزید استعمال کرتے ہوئے اسے ''و هو الشهيد '' کر دیا۔

۳۔ یہ آیت قران مجید کے اپنے رسم الخط میں درج نہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ قران مجید کی آیت اس کے اپنے رسم الخط سے

ہٹ کر کسی رسم الخط میں لکھنا جائز نہیں، یہ بھی شیخ التفسیر کا صوابدیدی اختیار تھا۔

۴۔ آیت پر اعراب نہیں لگایا گیا جس کی وجہ سے عام شخص اسے غلط پڑھ سکتا ہے۔

خدارا اے ارباب فتویٰ! آپ اس قسم کے لوگوں کے دستخطوں سے ہمیں اسلامک بینکنگ کا دقیق مسئلہ سمجھانا چاہتے ہیں؟ اگر یہ شخص شیخ التفسیر ہے تو پھر میں تو شیخ العرب والعجم ہوا۔

حرف آخر!

میری رائے یہ ہے کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ہو، خواہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دونوں ہی بزرگ ہیں، دونوں ہی دیانتدار ہیں اور دونوں کا وجود ہمارے لئے اللہ رب العزت کا وہ انعام ہے جس پر میرے بس میں ہو تو ہزار برس کا سجدہ شکر بجالاؤں، مسئلہ اختلافی ہے، جن حضرات کو حضرت شیخ الحدیث کا مؤقف درست نظر آتا ہو، ان پر لازم ہے کہ اسی پر عمل کریں، اگر وہ اسے درست سمجھنے کے باوجود عمل شیخ الاسلام کے مؤقف پر کرتے ہیں تو یہ شرعاً جائز نہ ہوگا، اور یہ ہی میں دوسرے مؤقف کو درست سمجھنے والوں کو بھی کہنا چاہتا ہوں، اگر اس خوبصورت علمی اختلاف میں بعض غیر ضروری افراد نہ ہوں تو بلاشبہ یہ وہی اختلاف ہے جو رحمت ہوا کرتا ہے، خود میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے مؤقف کا حامی ہوں، اگر چہ دو نسلوں سے شاگرد مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا ہوں، آخر میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی بابت صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔

کہ معلوم تھی پہلے سے خرد کی قیمت
عالم ہوش پہ احسان ہے دیوانے کا

اسلامی بینکاری کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں ایک لیکچر کے دوران اسلامی بینکاری کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ یہ لیکچر قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

پہلی بات

یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

صورت حال یہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں سے پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کو سیاسی طور پر کمزور کیا گیا، دوسری حکومتیں غالب آئیں، مسلمانوں کو مسجدوں اور مدرسوں تک محدود کر دیا گیا اور سیاست و معیشت سے بالکل دور کر دیا گیا، اور ان تمام معاملات کو دین سے آزاد کر دیا گیا کہ ان تمام معاملات کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، نیز تمام اسلامی ممالک میں سیکولر قسم کی حکومتیں قائم رہیں

جو یہ نعرہ بلند کرتی رہیں کہ دینی معاملات کے علاوہ دیگر معاملات کو اپنی مرضی سے چلایا جائے گا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو تجارتی سرگرمیاں دین سے بالکل آزاد ہوگئیں اور دوسری طرف دین کے احکامات جو تجارت ومعیشت سے متعلق تھے ان پر بھی عمل نہ ہوا اور وہ ایک نظریاتی چیز بن کر رہ گئے، یعنی جب عملی زندگی میں کسی چیز کا اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، پھر ان پر تحقیق کی جاتی ہے اور تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے، لیکن جب کسی چیز پر عمل ہی نہ کیا جائے تو نئے مسائل ہی پیدا نہیں ہوں گے تو تحقیق کیسے ہوگی؟ لہٰذا یہ ارتقا رک جاتا ہے، یہی وجہ ہے فقہ المعاملات میں وہ ارتقا پیدا نہیں ہوا جو دوسرے احکام مثلاً نماز روزہ وغیرہ میں ہوا، اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض علماء اور اہل فکر حضرات اپنی رائے سے ان مسائل کے متعلق جوابات دیتے رہے، لیکن بحیثیت مجموعی مفصل کام سامنے اس لئے نہیں آیا کہ کیونکہ اس کی کوئی عملی مثال موجود نہ تھی۔

اس لئے دارالعلوم کراچی میں مرکز الاقتصاد کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا تاکہ لوگوں کو فقہ المعاملات سے آگاہ کیا جائے

-

دوسری بات:

سیکولر نظام حکومت میں ''سود'' کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے کہ پوری معیشت کی بنیاد ''سود'' رہے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح ''سود'' اسلام میں حرام ہے عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی حرام ہے، حتی کہ موجودہ بائبل میں ''سود'' کی حرمت کے احکام بالکل واضح طور پر موجود ہیں، اگرچہ یہودیوں کی کتاب میں لکھا ہے کہ یہودی کے ساتھ تو ''سودی'' معاملہ ناجائز ہے لیکن غیر یہودی کے ساتھ جائز ہے، لیکن ہوا یہ کہ جب سرمایہ داروں نے معیشت کو ''سود'' پر استوار کرنے کی کوشش کی تو اس کی تاویلیں کرنا شروع کردیں، لہٰذا پروٹسٹنٹ کے بانی جان کالین وہ پہلا شخص تھا جس نے دعویٰ کیا کہ توریت میں جس ''سود'' کو حرام کیا گیا تھا وہ یہ ''سود'' نہیں تھا جو تجارتی معاملات میں رائج ہے، بلکہ وہ ''سود'' حرام تھا جو غریب لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا نظریہ بہت گھوما حتی کہ 99 فیصد عیسائیوں اور یہودیوں نے اس نظریہ کو قبول کرلیا، اگرچہ ایک فیصد اسے اب بھی ناجائز سمجھتے ہے اور انہوں نے اپنے ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں، جب اسلامی ممالک میں بینکوں قیام عمل میں آیا علماء نے کہا یہ ناجائز ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے جنھوں نے جان کالین والی تاویلیں کیں اور اسے جائز قرار دینے کی کوشش کی، لیکن یہی فرق ہے کہ جب یہودیوں اور عیسائیوں میں تحریک چلی تو کامیاب ہوئی لیکن اللہ ﷻ کا فضل ہے کہ جب اسلامی ممالک میں تاویلات کا نعرہ اٹھا تو علماء نے اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔

میرے بچپن سے تقریباً 20 سال تک عمر ایسی گزری ہے جس میں مختلف عناصر کی طرف سے یہ بات پھیلائی گئی کہ یہ جائز ہے، تو میرے والد ماجدؒ اور دوسرے علماء نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور والد ماجدؒ نے ''سود'' پر ایک کتاب لکھی، نیز کوئی بھی ایسی کانفرس نہیں ہوتی تھی کہ میں اس موضوع پر گفتگو نہ ہوئی ہو، بہرحال پھر شکست فاش ہوئی اور مصر میں پہلی دفعہ یہ قرارداد منظور ہوئی

کہ نا جائز ہے، پھر ''رابطۃ الاسلامی'' وغیرہ میں غرض یہ کہ ہر پلیٹ فارم پر یہ بات رد کر دی گئی اور جب پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل قائم ہوئی اور اس میں یہ موضوع زیر بحث آیا تو اسے یہاں بھی شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، الحمد للہ یہ تحریک اور نظریہ مسلمانوں کے درمیان کامیابی حاصل نہ کر سکا جو عیسائیوں اور یہودیوں میں 99 فیصد تک کامیاب رہا۔

پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر یہ ''سود'' حرام ہے تو موجودہ معیشت کو کس طرح چلایا جائے اور اس کا متبادل کیا ہوگا، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جو چیلنج کیا کرتے تھے، تو بہت سے اہل فکر کی طرف سے متبادل نظام کی رپورٹیں پیش کی جاتی رہیں، لیکن یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ بینک کا لفظ ''سود'' کے ساتھ اس طرح لازم ہوگیا کہ بینک کا نام آتے ہی ذہن میں ''سود'' کا تصور آتا ہے، اس لئے بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ بینک کا ادارہ ہی غلط ہے اور متبادل تو اس چیز کا تلاش کیا جاتا ہے جس کی فی الواقع ضرورت ہو اور ناجائز طریقے سے چل رہا ہو، لیکن جو ہو ہی غلط، اس کا متبادل تلاش کیا ہی نہیں جاسکتا جیسے ''جوا'' وغیرہ، لیکن سمجھنا چاہیئے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بینک ایک ادارہ کا نام ہے جس میں خرابی ''سود'' پیدا کر رہا ہے، لیکن اس کا مقصد غلط نہیں، بلکہ آج زندگی کے اعتبار سے اس کی ضرورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آج کی زندگی میں دوسری ضروریات بڑھ رہی ہیں اور ٹیکنالوجی کی وسعت ہے اس میں انسان کی ضروریات کی پیداوار کو بڑے سرمائے کی ضرورت ہے۔ جیسے لوہا بنانے کا کارخانہ بنانا جیسے پاکستان اسٹیل، کہ ایک کارخانہ کے لئے اربوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے اور جیسے بجلی، پورے ملک کو مہیا کرنے کے لئے اربوں روپے کی ضرورت ہے وغیرہ، جو کسی ایک آدمی سے مہیا ہونا بہت مشکل ہے اور دوسری طرف لوگ کچھ نہ کچھ رقم اپنے پاس بچا کر رکھتے ہیں، اگر یہ بچتیں اپنی جگہ پڑی رہیں تو کسی مفید کام میں استعمال نہیں ہوں گی اور بینک کا مقصد یہ ہے کہ ان بچتوں کو جمع کر کے بڑے بڑے منصوبوں پر خرچ کیا جائے اور سرمائے کا ست پڑے رہنا شریعت میں بھی پسند نہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس اگر یتیم کا مال ہو تو اسے تجارت میں خرچ کرو، کہیں زکوٰۃ اس کو کھا نہ جائے، لہٰذا ان بچتوں کو اکٹھا کر کے معاشرے کی بھلائی میں خرچ کرنا عین شریعت کے مطابق ہے اور بینک کا اصلی مقصد بھی یہی ہوتا ہے، لہٰذا اس حد تک تو کوئی خرابی نہیں، خرابی یہاں آئی کہ بچتوں کو جمع کرنے کے لئے بھی ''سود'' اور لگانے کے لئے ''سود'' لہٰذا اگر ''سود'' کے بغیر دوسرا طریقہ استعمال کر لیا جائے تو وہ مقصدا اچھا ہے، تو چاہے اس کا نام بینک رکھ دیا جائے یا کچھ اور۔

تیسری بات:

بینک کے سارے کام حرام نہیں ہوتے، بلکہ بینک جائز کام بھی کرتا ہے، جیسے برآمدات، درآمدات میں واسطہ بننا کہ اگر ہم جاپان سے کپڑا منگوانا چاہیں تو کیا گارنٹی کہ بائع کو رقم مل جائے گی اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رقم بھیج دیں تو ہمیں کپڑا مل جائے گا، لہٰذا بینک یہ گارنٹی فراہم کرتا ہے کہ وہ ہم دونوں کے درمیان اعتماد کے واسطے کا کردار ادا کرے گا، اسی طرح بینک لاکرز وغیرہ کی بھی سہولیات مہیا کرتا ہے جو کہ حرام نہیں ہے، لہٰذا اس سے اندازہ ہو جانا چاہیئے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ''سودی'' نظام کو نکال کر اس کا متبادل تلاش کرنا چاہیئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ''سود'' کا متبادل تلاش کرنا چاہیئے، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس

نظام بینکاری کا متبادل نظام تلاش کرنا چاہیئے ، اور دیکھا جائے تو علماء پر یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اس نظام کا متبادل تلاش کریں ، بالکل اسی طرح جس طرح فقہائے کرام اپنے ادوار میں جب کسی کاروبار کو حرام قرار دیتے تھے تو اس کا متبادل بھی بتاتے تھے کہ اگر اس طرح کرو گے تو یہ کام جائز ہو جائیگا ورنہ نہیں۔

چوتھی بات :

لہٰذا اس نظریہ پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس نظریے کو عملی جامہ پہنایا جائے ، چنانچہ 1970ء کی بات ہے کہ اکا دُکا ادارے قائم ہوئے ایک ادارہ پاکستان میں بھی قائم ہوا جو حضرت بنوری رحمہ اللہ اور والد ماجدؒ کے مشورے سے قائم ہوا لیکن وہ چل نہیں سکا ، اب 30 یا 35 کے بعد تقریباً ڈھائی سو ادارے قائم ہیں جو کم از کم دعویٰ کرتے ہیں کہ معاملات کو شریعت کے مطابق چلائیں گے ، ان میں کچھ غلطیاں بھی ہیں لیکن بہر حال ایک کام شروع ہو چکا ہے ، لیکن اس نظام کو چلانے کے لئے چند باتوں کو سمجھنا چاہیئے کہ سودی بینک راتوں رات وجود میں نہیں آئے ، ان کو موجودہ حالت تک پہنچنے میں چار سو سال لگے ہیں ، جب چار سو سال کے بعد یہ ادارے منظم اور مستحکم ہوئے تو انہوں نے پوری دنیا کو اپنے نظام میں جکڑ لیا ، اس کی چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ اگر آپ پاکستان سے سعودیہ کچھ رقم بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ چیک اس وقت تک کلیئر نہیں ہوگا جب تک نیو یارک کا بینک اسے کلیئر نہ کردے ۔ لہٰذا اس نظام کو بدلنے کے لئے راتوں رات نیا نظام نہیں لایا جا سکتا اور یہ تمام رکاوٹیں اس کے اندر موجود ہیں ، لہٰذا جب ہم بینکاری کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ نفع و نقصان کی بنیاد ہر سرمایہ تقسیم ہو یعنی شرکت و مضاربت کے طریقے پر لیکن آج کل جو پیسے لئے جاتے ہیں وہ ''سود'' کی بنیاد پر اور جو آگے دیئے جاتے وہ بھی ''سود'' کی بنیاد پر ، اس کا حقیقی نفع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ (یہی وجہ ہے کہ دولت سمیٹ کر سرمایہ داروں کی طرف جا رہی ہے) تو اصل چیز یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم شرکت و مضاربت کی بنیاد پر ہو ، نہ کہ ''سود'' پر ، یہی ہماری اصل منزل ہے ، لیکن اس منزل کو پانا راتوں رات ممکن نہیں اور اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ آج کل کاروباری حضرات انکم ٹیکس کی وجہ سے اپنے دو دو کھاتے رکھتے ہیں ، اپنا حقیقی نفع نہیں دکھاتے ، جس کی وجہ سے حقیقی نفع تقسیم کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں دوسری بڑی رکاوٹ عدم اعتماد بھی ہے ، کہ لوگوں کا آج کل ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہا ، اس لئے اس نظام کو کامیاب کرنے کے لئے نظام کی بھی ضرورت ہے اور انتظار کی بھی ۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت تک ''سود'' کو گوارا کر لیا جائے یا کچھ اور طریقے بھی ہیں ؟ لہٰذا بیشتر معاصرین نے کہا کہ اس منزل کی طرف پیش قدمی کرتے رہنا چاہیئے اور جس طرح ربا کی جگہ شرکت جائز ہے اسی طرح بیع بھی جائز ہے ۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا '' أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا '' اور اس نظام پر گزشتہ ادوار میں بھی علمائے کرام نے کام کیا ہے ، لیکن اس کے اتنے فوائد نہیں جتنے شرکت و مضاربت کے ہیں ، لیکن یہ بھی کم نہیں کہ ہم اللہ ﷻ کے خلاف جنگ سے خارج ہو گئے ، اسی طرح اجارہ ، سلم ، استصناع وغیرہ بھی رائج ہیں ، جو اسلامی تحریکوں میں ''سود'' کی جگہ استعمال کئے جا رہے ہیں ۔

بعض اوقات بیماری کے علاج میں کچھ فوری اقدامات ہوتے ہیں اور کچھ طویل المیعاد ، وہ علاج تو نہیں ہوتے لیکن فوری

تکلیف کو رفع کر دیتے ہیں اور جب فوری تکلیف رفع ہو جائے تو طویل المیعاد علاج کیا جاتا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ ان سے درد دور ہو جاتا ہے اور مزید علاج کی ضرورت نہیں یہ بھی غلط ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ حقیقی علاج ممکن نہیں اور ان دواؤں کی بھی ضرورت نہیں تو یہ بھی غلط ہے، لہٰذا اس وجہ سے یہ کہنا کہ وہ نہیں ہو رہا تو یہ غلط ہے، یہ بھی غلط ہے، لہٰذا اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور نافرمانی سے بچنے کے لئے ان طریقوں کو اپنانا غلط بات نہیں اور فقہی اعتبار سے ان میں کوئی شبہ نہیں اور چونکہ قطعی نہیں اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا کوئی اہل علم اگر قطعی بنانا چاہے تو اس کا دروازہ بھی کھلا ہے، لیکن بغیر کسی وجہ کے اس حقیقت کا انکار بھی صحیح نہیں۔

آخری بات:

یہ تحقیق بالکل ابتدائی مراحل میں ہے جب کوئی نیا نظام شروع ہوتا ہے تو اس میں خامیاں بھی ہوتی ہیں، ٹھوکریں بھی لگتی ہیں اور کامیابی بھی ہوتی ہے، لیکن اگر نیت درست اور سمت صحیح ہو تو اللہ ﷻ کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے اور دعا بھی کرنی چاہیئے، کیونکہ یہ ایک چیلنج ہے۔

بیع مؤجل أئمہ أربعہ کے ہاں بھی جائز ھے

خلافت عثمانیہ میں مرابحہ پر منافع کی شرح متعین ہوتی تھی

مرابحہ کی حمایت میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا جواب

مرابحہ مؤجلہ ہوتا ہے، بینک کے پاس پہلے اگر کوئی شخص پیسے لینے آتا تھا کہ اسے روٹی خریدنی ہے اور پیسے نہیں ہیں، تو سودی بینک اسے پیسے دیتا تھا ''سود'' کے ساتھ، اب مرابحہ مؤجلہ میں یہ کرتے ہیں کہ تمہیں روٹی خریدنی ہے، ہم تمہیں پیسے دیں تو اس کے بجائے ہم روٹی خود خرید لیتے ہیں اور خرید کر پھر آپ کو مؤجلہ فروخت کر دیتے ہیں، تو مؤجل ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے گا، اب اسے بیع الا جل کہہ لیں یا مرابحہ۔

اس پر اعتراض یہ ہے جو اس تحریر میں بھی ہے کہ حیلہ کرنے کے لئے مرابحہ اور مؤجلہ دونوں کو ممیز کر دیا گیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ممیز جو ہے یہ کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے، بلکہ مرابحہ اور بیع مؤجل میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، ایک مادہ کا اجتماع اور دو مادے کا افتراق کے ہیں، ہو سکتا ہے کہ بیع مؤجل ہو مرابحہ نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ مرابحہ ہو مؤجل نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ مؤجل بھی ہو اور مرابحہ بھی ہو۔ لہٰذا یہ کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے اور یہ بات میں عرض کر دوں کہ بیع مؤجل میں قیمت زیادہ کر دینا آپ سب جانتے ہیں کہ سب کے نزدیک جائز ہے، ائمہ اربعہ کے ہاں بھی جائز ہے، اتفاق سے جب سپریم کورٹ کا فیصلہ لکھ رہا تھا تو اس وقت الحمد للہ کچھ تفاسیر کے مطالعے کا مجھے موقع ملا، اس وقت پہلی بار یہ بات میرے سامنے آئی کہ

قرآن کریم میں مشرکین کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ **"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"** تو یہ خیال میرے ذہن میں بہت مدت سے تھا کہ موقع تو یہ تھا کہ یہ کہا جاتا **"انما الربوا مثل البیع"** کیونکہ وہ تو ربا کو جائز قرار دینا چاہتے تھے اس لئے یوں کہتے کہ **"انما الربوا مثل البیع"** کہ ربا بھی بیع ہی جیسا ہے، اس کے بجائے انہوں نے کہا **"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"** کہ بیع ربا کی طرح تو ہے، تو میرے ذہن میں یہ سوال کافی عرصہ سے کھٹکتا تھا، پھر جب میں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ ابن ابی حاتمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اصل میں میرا جو یہ قول تھا وہ درحقیقت ایک پس منظر میں تھا، وہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص بیع مؤجل کرتا تھا اور بیع مؤجل میں وہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتا تھا، لیکن جب وقت پر ادائیگی نہ کرتا تو اس وقت کہہ دیا جاتا تھا کہ **" اما أن تقضینی واما أن تلوی "** تو اس وقت کہہ دیتے کہ یہ ناجائز ہے، ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم پہلی بیع کر رہے ہیں تو اس کو تو آپ جائز کہتے ہیں، پھر جب اجل کی بنا پر اضافہ کر دیتے ہیں تو اس کو آپ ناجائز کہہ دیتے ہیں۔ تو ان کی بیع جو مراد تھی وہ بیع مؤجل تھی، یعنی وہ بیع جس میں اضافہ کر دیا گیا ہو، اجل کی بنیاد پر، تو اس لئے انہوں نے حضور ﷺ کو اور صحابہ کرامؓ کو الزام دینے کے لئے یہ کہا کہ **"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"** کہ اگر آپ ربا کو حرام قرار دیتے ہیں تو بیع کو بھی حرام قرار دیں، تو یہ آیت بتا رہی ہے اجل کی بنا پر پیسوں پر اضافہ نبی ﷺ کے عہد مبارک سے چلا آ رہا ہے، نبی ﷺ پر اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اس بیع کو جائز قرار دیا کہ جس میں اجل کی بنا پر پیسوں پر اضافہ کیا گیا تھا تو اس میں اور بیع میں کیا فرق ہوا، اللہ ﷻ نے فرمایا **"أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** اس آیت کے شان نزول کے تناظر میں اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے اور پھر **1400** سال کے دوران ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس کو ناجائز نہیں کہا۔

آپ میں سے جو حضرات اہل فتویٰ ہیں وہ فتاویٰ شامی کے متعلقہ مواضع میں دیکھ لیں، دراصل یہ متعلقہ مواضع میں باب المرابحہ میں نہیں ہے، یہ مرابحہ ایسا عقد تھا جو خلافت عثمانیہ میں جاری و ساری تھا اور اس درجہ جاری و ساری تھا کہ جب مرابحہ مطلق بولا جاتا تو اس وقت اس سے مراد مرابحہ مؤجلہ ہی ہوتا تھا اور یہ وہ مرابحہ ہوتا تھا کہ جس میں ایام کے حساب سے جتنے دن کی ادائیگی زیادہ ہے اتنا ہی قیمت میں اضافہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ کے حاکم کی طرف سے فرمان جاری ہوتا تھا کہ آپ مرابحہ میں اتنا منافع لے سکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں لے سکتے ہیں، اس کی باقاعدہ شرح متعین تھی، آج جس طرح مرکزی بینک کرتا ہے کہ بھئی! آپ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے، تو امر سلطانی جاری ہوتا تھا اور وہ امر سلطانی بدلتا رہتا تھا، یہ واقعہ رد المحتار اور تنقیح الحامدیہ میں ہے، ان سب میں یہ تفصیل موجود ہے کہ احکام سلطانیہ اس طرح جاری ہوتے تھے اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات...... اس کو حیرت کہیں یا جو بھی کہیں کہ یہ عقد کہ جس کے اندر یہ جاری ہوا ہے کہ آپ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے، یہ درحقیقت **قلب الدین** کی شکل میں ہوتا تھا، **قلب الدین** اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ذمہ پہلے سے دین واجب ہے، جب ادائیگی کا وقت آتا وہ ادا نہیں کر پا رہا تو اس کو کسی اور طریقے یا کسی نئے عقد سے اس کو وہ نفع مل جائے، اس کو **قلب الدین** کہتے ہیں اور **قلب الدین** بہت سے ائمہ کے ہاں بالکل ناجائز ہے، چاہے کسی بھی صورت میں ہو، لیکن ایسا لگتا ہے کہ متاخرین حنفیہ نے اس مرابحہ کو **قلب الدین**

کے لئے جائز قرار دیا ہے اس کی تفصیل وہاں پر موجود ہے، آپ وہاں دیکھیں گے تو آپ کو مل جائے گی، تو یہاں تک اس پر عمل ہو سکا کیونکہ وہ خلافت عثمانیہ کا وہ زمانہ تھا جس میں بڑے بڑے کاروبار شروع کئے گئے تھے، ان کی زندگی میں تغیر آرہا تھا، پھر اس پر فقہائے متاخرین جیسے فتاویٰ شامی نے خاصی تفصیل سے بحث کی ہے کہ اس پر سلطانی امر جو جاری ہوا ہے 5 فیصد سے زیادہ آپ نفع نہیں لے سکتے اگر آپ میں سے کسی نے 5 فیصد سے زیادہ نفع لے لیا، آیا کہ وہ بیع منعقد ہوگی یا نہیں ہوگی؟

بعض کہتے ہیں کہ منعقد ہی نہیں ہوگی، کیونکہ یہ امر سلطانی کے خلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں منعقد ہو جائے گی، لیکن گناہ ہوگا، یہ بحث کی ہے۔ آگے یہ فرمایا کہ بیع مرابحہ کے اندر اگر بالفرض ایک شخص نے یہ طے کیا تھا کہ میں 6 مہینے کے بعد ادا کروں گا، 6 مہینے کے حساب سے اس نے اپنا نفع لکھ لیا تھا اور تین مہینے کے بعد آ گیا، یعنی پہلے آ گیا تو علامہ شامیؒ مفتیٰ بہ قول یہ نقل کرتے ہیں کہ جو کہ شامی، ردالمختار اور تنقیح الحامدیہ میں بھی ہے کہ اس صورت میں جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس میں نفع کم کر دیا جائے گا بقدر ایام، کہ اگر سال بھر کا مرابحہ تھا تو اب وہ 6 مہینے پر لا رہا ہے تو آدھا نفع ادا کر دیا جائے گا، کیوں ....؟ اس لئے کہ عقد کے اندر اجل جو ہے وہ باقاعدہ حصہ بن گئی ہے مرابحہ کی، لہٰذا ہم بینکوں کو اس پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے، میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں، پہلے بھی کہتا رہا ہوں کہ، آج بھی کہتا ہوں کہ بینکوں کو اس پر قائم ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیئے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کوئی ناجائز عقد ہے، یہ جائز عقد ہے اور ائمہ اربعہ کے ہاں جائز ہے، اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آیات تک میں اس کے دلائل موجود ہیں، البتہ اس میں کچھ باتیں ہیں جو واقعتاً فقہی نوعیت کی ہیں، بہرحال یہ تو غور و فکر کی بات ہے، اس کے اندر دو رائے بھی ہو سکتی ہیں اور اس پر نیک نیتی سے بحث مباحثہ بھی ہو سکتا ہے۔

وعدے کو قضاءً لازم کیا گیا ھے

عام حالات میں قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن دو صورتوں میں وعدہ لازم ہو سکتا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی کا جامعہ اشرفیہ میں خطاب

دوسرا مسئلہ جو واقعی ہے اور فقہی نقطہ نظر سے قابل غور بھی ہے اور اس پر اعتراض بھی کیا گیا ہے اور وہ اعتراض بھی اس معنیٰ میں درست ہے کہ وہ واقعہ کے خلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے بہت سے معاملات میں یہ کرنا پڑتا ہے یا یہ کیا گیا ہے کہ وعدے کو قضاءً لازم کیا گیا ہے۔

یہ بحث بہت لمبی چوڑی ہے ہے کہ وعدے کا ایفا واجب ہے؟

مستحب ہے؟

سنت ہے؟ کیا ہے؟

اس میں شروع سے اختلاف رہا ہے، لیکن قضاءً لازم ہوتا ہے کہ نہیں؟

اس میں دو قول ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے پورا باب قائم کیا اور بہت سارے حضرات کا قول نقل کیا ہے یہ قضاءً بھی لازم ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ قضاءً لازم نہیں ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ دو جگہ پر وعدے کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

ایک **"لحاجات الناس"** اور یہ بات فرمائی گئی ہے بیع بالوفا کے خلاف، بیع بالوفا میں اگر وفا کی شرط صلب عقد میں لگا دی جائے تو وہ ساقط ہے، لیکن اگر وفا کی شرط صلب عقد میں نہ ہو اور صلب عقد سے الگ ہٹ کر زیادہ کرلیا جائے تو وعدہ لازم ہو جائے تو اس سیاق میں فرمایا گیا ہے **"تلزم لحاجات الناس"** تو اصل حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ وعدے کا ایفا قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن بعض جگہ لازم ہوتا ہے، ان میں تو ایک یہ جگہ ہے۔

دوسری اگر ایفائے عہد کو تعلیق کی شکل میں (شرط کے ساتھ) ذکر کیا جائے تو پھر لازم ہے، چونکہ یہ بیع بالوفا کے بارے میں خاص طور پر کہا گیا ہے تو استدلال کر کے یہاں بھی بعض وعدوں کو لازم کیا گیا، مثلاً اجارے کا جو عقد ہے، جس کے اندر کاریں یا مکانات کرائے پر دیئے جاتے ہیں۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ بینک خرید کر اس کو اجارے پر دیتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک وعدہ ہوتا ہے جو صلب عقد اجارہ میں نہیں ہوتا، لیکن ہوتا ہے بعد میں، کہ اگر تم ہمیں بیس سال تک اگر اس کا کرایہ ادا کرتے رہے تو ہم اس کو فروخت کر دیں گے یا ہبہ کر دیں گے، یہ وعدہ ہوتا ہے اور اس وعدے کو قضاءً لازم کیا گیا ہے، تو اس میں ہوتا یہ ہے کہ بیس سال تک وہ اجارہ ہے اس کے بعد وہ بیع کی صورت اختیار کر لیتا ہے، تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں ایسی شرط لگائی جارہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہٰذا وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے تو میں اس سلسلے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جواز کی ہمیں اتنی گنجائش معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم کہ بیع بالوفا میں صلب عقد میں اگر شرط نہ ہو بلکہ علیحدہ سے وعدہ کیا گیا ہو تو اس کو لازم قرار دیا گیا ہے، تو اس وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ گنجائش ہے کہ یہ اجارے کا معاملہ ہے، دوسرا یہ کہ وعدوں کو کئی جگہوں پر لازم قرار دیا گیا ہے، یہ بات بھی قابل غور ہے، میں نے اس پر مستقل مقالہ بھی لکھا ہے، اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں وہ چھپا نہیں ہے، لیکن اس میں سارے اقوال جمع کئے گئے ہیں، شروع سے لیکر آخر تک کہ اس میں کیا ہے؟ بلکہ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تو ابقا قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کے اس قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں قضاءً لازم ہوتا ہے تو اس مقالے میں جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ ویسے تو قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن دو صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

نمبر (۱) تو یہ کہ دونوں فریق اس کے لزوم قضاء پر متفق ہو جائیں یا اولوالامر کی طرف سے قانون آجائے، یہ وعدہ لازم ہوسکتا ہے، بہرحال یہ فقہی مسئلہ ہے جو اہل فتویٰ حضرات کے سامنے مزید غور کے لئے پیش کیا ہے۔

شرکت تقبل کو ذاتی طور پر درست سمجھتا ہوں ۔ مفتی محمد تقی عثمانی

اس میں کسی کی قطع شرکت نہیں اور شرح تناسب بھی موجود ہے،

مجمع فقہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے،

اسلامی بینکاری کے حق میں ممتاز عالم دین کا موقف

تیسری بات جو حقیقی فقہی مسئلہ ہے اور وہ بھی واقعہ کے خلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ جو بینکوں کا نظام ہے اس میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی خاص دن میں لوگ پیسہ جمع کر دیں اور ایک خاص دن میں ان کے درمیان منافع تقسیم ہوتا ہو، رقمیں آ رہی ہیں اور جا رہی ہیں، ایک دن کسی نے پیسے رکھوائے اگلے دن اس میں سے کچھ نکال لئے یا اس میں اور داخل کر دیے، اس طریقے سے سلسلہ چلتا رہتا ہے، تو اس پر بعض حضرات نے اشکال کیا ہے کہ کوئی آدمی جب بیچ میں سے پورے کے پورے پیسے نکال کر لے جاتا ہے اس نے اپنا اکاؤنٹ ہی بند کر دیا، ابھی مدت مضاربت ختم نہیں ہوئی اور اس نے اکاؤنٹ بند کر دیا، تو اس کا مطلب ہوگا؟ اس وقت اس کو کیا کہا جائے گا؟

تو ہمارے نزدیک اس کی تخریج یہ ہے کہ جب کوئی شخص جا رہا ہے تو اب اس کی قیمت باقی شرکاء کو بیچ کر کے جا رہا ہے، تو لہٰذا جب جائے گا تو اس شرکت یا مضاربت کی جو قیمت بیچ ہے، وہ دے کر جائے گا، تو اپنا حصہ جو بیچ کر جا رہا ہے تو اس حصے کی قیمت کا باہمی رضامندی سے کوئی فارمولا طے کیا جا سکتا ہے، گویا جو آدمی نکل رہا ہے وہ اپنا حصہ بیچ کر جا رہا ہے اور بیچ کر چلا گیا۔

لیکن دوسرا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ نکال رہا ہے اور کچھ داخل کر رہا ہے، ہر روز یہ سلسلہ چل رہا ہے، اب یہاں ایک آدمی کی مدت مضاربت مثال کے طور پر ایک مہینہ ہے، اس ایک مہینے کے اندر بیچ میں بھی لوگ داخل ہو رہے ہیں، نئے آ رہے ہیں، جو پہلے سے داخل ہیں ان میں سے کچھ پیسے نکال رہے ہیں تو یہ کس طرح شرکت یا مضاربت کے حساب سے نفع تقسیم کیا جا رہا ہے، اس کا ایک طریقہ جو اس وقت متعارف ہے، صرف اسلامی بینکوں میں نہیں بلکہ اور جگہوں پر بھی ہے، وہ یہ ہے جسے عربی میں "حساب الانتاج الیوم" کہا جاتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے تک یہ دیکھا گیا کہ کتنی رقمیں آئیں؟ اور ان پر کتنا منافع ہوا اس منافع کو فی یوم فی روپیہ کے حساب سے تقسیم کیا جاتا ہے، یعنی فرض کریں 1000 روپے کا نفع ہوا، تو جتنی رقم آئی تھی اس میں ہر روز ایک روپیہ کا کتنا نفع ہوا، تو وہ نفع باہم تقسیم کیا جاتا ہے، یہ ہے جسے "حساب الانتاج الیوم" بھی کہتے ہیں، اسے "حساب النمر" بھی کہتے ہیں، یعنی یہ طے ہو گیا کہ مثلاً رب المال کا 70 فیصد ہوگا اور مضارب کا 30 فیصد ہوگا لیکن ارباب المال جو آ رہے ہیں وہ ایک وقت میں نہیں آ رہے ہیں، کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے، کوئی نکال رہا ہے، کوئی داخل کر رہا ہے، لیکن مہینے کے ختم پر دیکھیں گے کہ کل رقم کتنی رہی؟ وہ بیچ میں کس نے نکالی، کس نے نہیں نکالی اور کتنا بعد میں آیا، کتنا پہلے آیا۔ لیکن مہینے کے آخر میں دیکھیں گے

کہ رقم کتنی ہوئی اور پھر نفع تقسیم کریں گے فی روپیہ فی یوم کے حساب سے، کہ ایک روپے پر ایک دن میں کتنا نفع ہوا؟ اب جس شخص کی رقم 15 دن رہی فرض کریں فی یوم روپیہ کا نفع ہوا تو جس کی رقم 15 دن رہی تو 15 روپے کا حقدار ہوگا، جس کی دس دن وہ دس کا حق دار ہوگا، یہ ہے مقصد "حساب الانتاج الیوم" یہ بالکل ایک نیا طریقہ ہے۔

یہ فقہی مسئلہ آیا کہ اس نفع کی بنیاد پر تقسیم شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

میں نے اپنے بعض مقالات میں اس پر بحث بھی کی ہے اور اپنا رجحان یہ ثابت کیا ہے اور ان تک یہ سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کار میں کسی بڑے شرعی اصول کی مزحمت نہیں ہوتی، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یعنی جو میں نے اس کی نظیر پیش کی ہے کہ جب ایک مرتبہ شرکت کا بیج قائم ہوجاتا ہے تو اس میں یہ بات زیر بحث نہیں آتی کہ کس روپے پر کتنا نفع ہوگا؟ بلکہ سب خلط ہوجاتا ہے، خلط کے بعد وہ آپس میں نفع کی تقسیم کا جو بھی طریقہ طے کرلیں بظاہر اس میں کوئی مزاحمت نہیں اور میں نے اس کی مثال یہ پیش کی کہ فقہائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ شرکت کے لئے عقد شرکت سے شرکت منعقد ہوجاتی ہے چاہے خلط اموال ابھی تک نہ ہوا ہو۔

اگر زید، عمر دو آدمیوں نے شرکت کا عقد کیا، زید نے کہا میں 50 روپے دوں گا، عمر نے کہا میں 50 روپے دوں گا، لیکن عملاً ابھی زید نے دیئے نہیں عمر نے دے دیئے اور عمر نے اپنے 50 روپے سے کوئی چیز خرید لی اور خرید کر اس سے نفع اٹھایا، تو کہتے ہیں کہ اس میں نفع باہم شریک ہوگا، وہ شرکت کا نفع ہوگا، اس میں زید بھی شریک ہوگا، حالانکہ زید نے ابھی تک اپنا پیسہ بھی نہیں دیا، لیکن وہ اس میں شریک ہوگیا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے یہ ضروری نہیں ہے کہ جب ایک دفعہ عقد شرکت ہوجائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دیکھا جائے تمہارے روپے پر کتنا نفع ہوا میرے روپے پر کتنا نفع ہوا؟

آپ دیکھتے ہیں کہ جیسے شرکت اعمال جسے شرکت تقبل بھی کہتے ہیں اس میں نفع صرف زماں کی بنیاد پر ہوتا ہے، زمان عمل کی بنیاد پر، جس نے عمل کیا یا نہیں کیا، اس سے کوئی تعلق نہیں، لیکن زمان عمل چونکہ ہوگئی تو لہٰذا شرکت منعقد ہوگئی، میں کوئی قیاس نہیں کررہا ہوں بلکہ یہ نظائر ہیں، میں نظائر پیش کررہا ہوں، یہ نظائر اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ کہ ضروری نہیں کہ ہر ہر آدمی کے اپنے روپے پر نفع ہوا ہو، تو ایسا نظام ہو کہ جس میں روپیہ آرہا ہے، جارہا ہے تو اس میں، میں ذاتی طور پر یہ طریقہ درست سمجھتا ہوں، اس میں قطع شرکت نہیں ہے کسی کی اور شرح تناسب بھی موجود ہے وغیرہ وغیرہ اور مجمع فقہ اسلامی نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔

شرکت ومضاربت کے علاوہ دیگر طریقوں کو ناجائز نہیں سمجھتا

جائز ہیں، لیکن یہ ہماری منزل نہیں، نہ ہی ان سے معاشی مقاصد کے مکمل فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔

مولانا محمد تقی عثمانی کا جامعہ اشرفیہ لاہور میں خطاب

ایک سب سے زبردست اور سب سے عام اعتراض یہ ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ہے وہ سب حیلہ ہے، بس حیلہ سازی ہے، حیلے کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ سوال بڑی حد تک درست بھی ہے، جو کہ بعض لحاظ سے درست بھی ہے اور بعض لحاظ سے غلط بھی ہے، بات یہ ہے کہ جو ہمیشہ کہتا ہوں، مشکل اس آدمی کے لئے ہے جو اعتدال پر قائم ہو۔ حرام کہہ دینا بھی آسان ہے، یہ کہہ دینا کہ ہم جو کر رہے ہیں سب حلال ہے، یہ بھی آسان ہے اور یہ کہہ دینا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب حرام ہے، یہ بھی آسان ہے، صورت حال یہ ہے کہ روز اول سے، جس دن سے میں نے اس میدان میں قدم رکھا میری تحریر اور تقریر میں دو پہلو ساتھ ساتھ مذکور ہیں۔

ایک پہلو یہ ہے کہ بھئی! ایک تو ہے اسلام کے معاشی نظام کے مقاصد علیا جس کے ذریعے سے معاشرے میں معاشی صلاح وفلاح کا دروازہ کھل سکتا ہے، جس کے نتیجے میں دنیا سرمادارانہ نظام اور سوشلزم کے ظالمانہ نظام سے ہٹ کر منصفانہ نظام کی طرف جا سکتی ہے، اس کی صورت اور طریقہ یہ ہے کہ ان بینکوں کا سارا نظام شرکت ومضاربت کی بنیاد پر ہونا چاہیئے، یہ بات ہر قدم پر میں کہتا رہا۔

البتہ شرکت ومضاربت سے ہٹ کر کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں کہ جن سے ہوسکتا ہے اعلیٰ مقاصد حاصل نہ ہوں، لیکن یہ ہے کہ معاملہ جواز کی حدود میں آسکتا ہے اور جواز کی حدود میں آجانا، یہی ایک کامیابی ہے کہ ایک معاملہ حرام سے نکل کر جواز میں داخل ہو جائے، اگرچہ وہ جواز کے اعلیٰ مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو، مگر پھر بھی جواز میں داخل ہو جائے تو یہ بھی ایک مسلمان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، یہ میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لہٰذا میں جب بینکوں سے مخاطب ہوتا ہوں، جب حکومتوں سے مخاطب ہوتا ہوں وہاں میرا زور اس پر ہوتا ہے کہ آپ مرابحہ، اجارہ اور شرکت متناقصہ سے نکل کر اعلیٰ مقاصد کی طرف جائیں جو شرکت ومضاربت سے حاصل ہوسکتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دوسرے طریقوں کو ناجائز سمجھتا ہوں، جائز ہیں لیکن جائز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ہماری آخری منزل نہیں ہے اور نہ ان سے معاشی مقاصد کے پورے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں، بڑے مقاصد شرکت ومضاربت سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں ان سے نہیں، میں یہ بات بھی ہمیشہ کہتا آیا ہوں، لیکن میرے ان احباب نے یہ سمجھا کہ شاید میں صرف انہی کو جائز سمجھتا ہوں اس کے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتا، اس سے میرا کم از کم مقصد یہ نہیں ہے بلکہ ان کو میں ان کے شروط وقیود کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں بلکہ اس سے بدرجہا بہتر جائز سمجھتا ہوں کہ لوگ ''سود'' میں مبتلا ہوں، لیکن بس یہ ہے کہ ساتھ ساتھ میں اعلیٰ مقاصد کی طرف دعوت دیتا رہتا ہوں، بسا اوقات مجھ پر مختلف سیمناروں میں اعتراض ہوتا ہے کہ آپ ایک طرف مرابحہ کو جائز سمجھتے ہیں اور کبھی آپ کہتے ہیں اسے کم کر کے اس کی شدت کو ختم کرو تو آپ کا قول اس پر مختلف رہتا ہے۔

تو میں اس کا جواب یہ دیتا تھا کہ دیکھو! ایک شخص کسی درد میں مبتلا ہو تو پہلی کارروائی اس کی طبی امداد ہوتی ہے، ابتدائی طبی امداد جس کے ذریعہ اسے Pain Killer بھی دیا جاتا ہے، Pain Killer دے کر اس کا درد، دور ہوجاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہ Pain Killer سے پورا علاج نہیں ہوتا لہٰذا Pain Killer بیکار ہے، یہ بھی غلط............۔ اور اگر کوئی یہ چاہے کہ

میں ساری عمر Pain Killer ہی کھاتا رہوں تو یہ بھی غلط ، دونوں انتہائیں غلط ہیں ۔Pain Killer کا درجہ Pain Killer کا ہےاوراصل علاج کا درجہ اصل علاج کا ہے،تو اس لئے یہ دو باتیں ہیں جو ہمیشہ امتزاج کا ساتھ میں کہتا رہا ہوں۔

لمیٹڈ کے حوالے سے اهل افتاء کو غور کرنا چاهیئے

محض یہ کھہ دینا غلط ھے کہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور اسلام میں نھیں ، لھٰذا اس کا کوئی بھی کام درست نھیں ھوسکتا ۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مؤقف

فقہی مسائل کے سلسلے میں آج کل اس پر بہت زور دیا جارہا ہے،اس حوالے سے مستقل کتابیں بھی آرہی ہیں،وہ ہے! لمیٹڈ کمپنی کا مسئلہ،تو اس تحریر کے اندر جس میں نے حوالہ دیا،اس میں تو بینک کے نظام ہی کو چاہے وہ غیرسودی ہی کیوں نہ ہو،وہ کتنا ہی صحیح ہو جائے لیکن چونکہ بینک ایک لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں ہوتا ہے تو س واسطےان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور ہی چونکہ اسلام کے بالکل خلاف ہے،لہٰذا اس کے تحت جو کچھ بھی ہوگا ، چاہے وہ شرکت ومضاربت ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو اور اس میں مرابحہ وغیرہ کچھ بھی نہ ہو،تب بھی وہ جائز نہیں ہے اور آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ اگر فرض کروایسا وقت آ بھی جائے جب شرکت ومضاربت ہی کی بنیاد پر ہو اور مرابحہ وغیرہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر ہم سے پوچھا جائے تو ہم اس کو تب بھی شاید جائز نہ کہیں کیونکہ یہ لمیٹڈ کمپنی کی بنیاد پر قائم ہوا ہے،تو بینک چونکہ لمیٹڈ کمپنی ہوتا ہے لہٰذا اس کے اندر شرکت ومضاربت کا کوئی تصور قائم ہو ہی نہیں سکتا،تو یہ مسئلہ میں آپ حضرات کے سامنے مختصراً بات عرض کر کے ختم کر دیتا ہوں۔

تو یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ آیا یہ لمیٹڈ ہونا یعنی ذمہ داری کا محدود ہونا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

میں نے جب اس پر ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' میں بحث کی تو شروع میں ہی یہ لکھ دیا تھا کہ اس میں بعض مسائل ایسے ہیں کہ وہ نئے ہیں اور انہیں اہل علم کے غور وفکر کے لئے پیش کر رہا ہوں اور میری جس کتاب کا ترجمہ مولانا زاہد صاحب نے کیا ہے اس میں، میں نے شروع میں لکھا ہے کہ اس کو میرا حتمی فتویٰ نہ سمجھا جائے ، یہ میں غور وفکر کے لئے علماء کو پیش کر رہا ہوں،تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ آیا محدود ذمہ داری کا تصور شرعاً قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس میں، میں نے چند دلائل ذکر کئے ہیں، چند نظائر پیش کئے ہیں۔

ان نظائر کی بنیاد پر شاید جواز کا قول اس پر ہو سکے لیکن حتمی فتویٰ کے طور پر اس کو ذکر نہیں کیا۔ بہر حال یہ الگ مسئلہ ہے کہ

محدود ذمہ داری کا تصور شریعت کے مطابق ہے یا نہیں ہے؟ اس پر مزید غور ہونا چاہئے۔ اور اس پر غور کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔

لیکن کیا اگر محدود ذمہ داری کے تصور پر ہم کہہ دیں گے کہ یہ ناجائز ہے، جو کمپنی بھی لمیٹڈ ہے اور جو کمپنی بھی محدود ذمہ داری کے تصور پر قائم ہوئی ہے اس کا سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟ اگر اس کے سارے کاروبار کو ناجائز کہا جائے تو ہم جو کپڑے پہن رہے ہیں یہ بھی حرام ہیں اور یہ جو جوتے پہن رہے ہیں یہ بھی حرام ہیں اور یہ جن گاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں وہ بھی سب حرام ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا سارا کاروبار ہی حرام ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ لمیٹڈ ہونے کا جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ بینک کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک بینک کے حصہ دار ہوتے ہیں جو بینک کے مالک ہوتے ہیں اور وہ جو محدود ذمہ داری کا معاملہ ہے وہ صرف ان تک ہی محدود ہے، لیکن دوسرا یہ بینک جو ہے یہ بحیثیت مضارب کے کام کرتا ہے۔ اگر آپ شخص قانونی کو پسند نہ کریں تو اس مجموعہ افراد کو کہہ لیں کہ یہ مضارب ہیں، تو پھر ڈپوزیٹرز کے ساتھ اس کا دوسرا تعلق ہوتا ہے، ان دونوں کو خلط ملط کر کے یہ کہنا کہ چونکہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور شریعت کے خلاف ہے لہٰذا ڈپوزیٹرز کے ساتھ شرکت ومضاربت بھی نہیں ہو سکتی، یہ خلط ملط ہے، میری نظر میں تو ٹھیک ہے۔ اس پر مزید غور کر کے کرنے کی ضرورت ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور کس حد تک قابل قبول ہے؟ اور اگر نا قابل قبول ہے تو اس کے اثرات اس کمپنی کے معاملے پر، اس کی پیداوار پر اس کے ساتھ ساتھ مرتب ہوں، یہ ایک مسئلہ ہے جس پر غور کرتے رہنا چاہئے اور اہل افتاء کو مزید اس پر اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

محض یہ کہنا کہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور اسلام میں نہیں ہے لہٰذا اس کا کوئی بھی کام درست نہیں ہو سکتا، یہ میری نظر میں درست نہیں ہے۔ بس اتنی بات اس وقت عرض کرنی تھی، بہر حال جیسا کہ میں عرض کیا کہ موضوع تو بہت طویل ہے، اس کی بہت سی شاخیں ہیں، بہت سے مسائل ہیں لیکن ایک خلاصہ میں نے اس وقت عرض کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں حق پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

غیر مشروط ادائیگی کا لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

ادائیگی میں غیر معمولی تاخیر سے بینکوں کا نظام متاثر ھوا۔ اس مسئلے پر قضا کے نفاذ سے متعلق اجتھاد کی ضرورت ھے۔

مثلاً ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چاہے وہ مرابحہ میں ہو یا کوئی بھی ہو جب یہ "سودی" بینک کام کرتے تھے، اب بھی کرتے ہیں، تو اس میں اگر کسی شخص نے وقت پر ادائیگی نہیں کی تو "سود" اس کے پیچھے چلتا ہے، لہٰذا اگر ایک دن ادائیگی نہ کی تو

''سود'' اور بڑھ جاتا ہے، دو دن نہیں کی تو دون اور بڑھ جائیگا، تین دن نہیں کی تو تین دن کا اور بڑھ جائیگا، تو نتیجہ یہ کہ جو لوگ وقت پرادائیگی کے پابند نہیں ہیں تو اس ڈر سے وقت پرادائیگی کرتے ہیں اگر نہیں کرینگے تو ''سود'' بڑھتا چلا جائے گا۔

اچھا! مرابحہ کے اندر قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قیمت متعین ہوگئی تو بس وہ ہوگئی وہ آگے نہیں بڑھ سکتی، لہٰذا شروع میں جب مرابحہ کا یہ معاملہ شروع ہوا تو اس وقت شرط کوئی نہیں تھی بس یہ تھی کہ بھئی! وقت پرادا کرو، لیکن لوگوں نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا، فائدہ یہ اٹھایا کہ بڑھنا تو ہے نہیں، قیمت تو وہی دینی ہے لہٰذا دو تین مہینے میں دو یا دس مہینے میں دو، مسئلہ نہیں ہے، لہٰذا ایک غیر معین تاخیر شروع ہوگئی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب فرض کرو کہ بہت مدت تک تاخیر ہو اس پر پیسے نہ ملیں تو سارا نظام اس سے متاثر ہوتا ہے، خاص کر بینکاری کا جو نظام ہے اس میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ چونکہ پیسہ کسی ایک آدمی کا نہیں ہوتا بے شمار انسانوں کا ہوتا ہے تو یہ کسی کاروبار میں اور پھر حتی الامکان منافع حاصل ہو، تو غیر معین مدت تاخیر کا نقصان بہت ہونے لگا، اب کیا کیا جائے؟

علمائے عرب میں سے بعض نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اگر تنگدستی کی وجہ سے کر رہا ہے ''وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة'' لیکن اگر وہ تنگ دستی کی وجہ سے نہیں کر رہا تو اس صورت میں وہ کہتے تھے کہ بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ بھئی! تمہاری تاخیر کی وجہ سے ہمیں ضرر پہنچا تو اس ضرر کا تمہیں معاوضہ دینا چاہیئے، ہرجانہ دینا چاہیئے اور وہ ہرجانہ انہوں نے اس طرح سے متعین کیا کہ دیکھو! اگر تم ہمارے اکاؤنٹ میں پیسے رکھتے اس سے ہمیں جتنا منافع ہوتا تم اتنا نفع ہمیں دے دو تو اس کی ان علماء نے اجازت دی، ایک محفل تھی اس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، اس کے خلاف میں نے مضمون لکھا اور اس کے اندر تفصیل سے بتایا کہ یہ چیز جائز نہیں ہے اور اس کا معاملہ وہی ''اما أن تقضی و اما أن تلوی ....'' اس کے قریب قریب پہنچتا ہے، لیکن سوال اپنی جگہ پر قائم رہا کہ ایسے لوگوں کا کیا مداوا کیا جائے تو اس میں مالکیہ کے ہاں ایک قول نظر آیا، وہ یہ کہ اگر کوئی مظلوم انشاء دین کے وقت میں یہ التزام کر لے کہ اگر وقت پرادائیگی نہ کر سکا تو اتنے پیسے میں صدقہ کر دوں گا تو اس کو دیانۃً وہ جائز کہتے ہیں۔

قضاء وہ نافذ ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اس میں مالکیہ کے دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ قضاء نافذ نہیں ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ قضاء نافذ ہو جائیگا۔

تو وہ علامہ خطابی رحمہ اللہ کے قول سے ایسا لگتا ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ نافذ ہونے کے تو اس سے ایک رکاوٹ پیدا ہوئی اس سے بینک کی آمدنی میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا، مگر یہ ہے کہ دینے والے پر ایک پریشر بڑھ جاتا ہے کہ مجھے دینا پڑیگا۔ یہ التزام بالتصدق کی بات تھی، یہ مسئلہ آیا کہ ہم اس کو اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ متعدد مقامات پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا جس میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' بھی شامل ہے جس کا میں نے شروع میں حوالہ دیا تھا یعنی اس وقت جو علماء جمع ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ اس کی گنجائش ہے کہ اس خرابی کے سدباب کے لئے اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے، مجمع فقہ اسلامی میں بھی زیر بحث آیا،

انہوں نے مختلف فورموں پر اس کی اجازت دی۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس میں جو شخص مرابحہ کرتا ہے وہ اس بات کا التزام کرتا ہے کہ اگر میں وقت پر ادائیگی نہ کر سکا تو اتنی رقم میں ادا کروں گا، البتہ وہ ادا کرتا ہے یا نہیں کرتا، تو اس کے لئے یہ تجویز اسی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے اجلاس میں پیش کی گئی تھی کہ بینک کے اندر ایسا فنڈ قائم کر دیا جائے کہ جو خالصتاً خیرات کے اندر کام آئے اور بینک کی آمدنی میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو تو تقریباً بیشتر غیر سودی بینکوں میں اس پر عمل ہوتا ہے، یہ ایک اعتراض ہے جو واقعہ کے مطابق ہے، لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ صدقہ جو ہے اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، دوسرا یہ کہ بینک ہی کے اندر وہ فنڈ قائم ہے تو بینک پر کیا بھروسہ ہے وہ اس کو آمدنی میں استعمال نہ کرے؟

اگر چہ جہاں جہاں بھی ہے تو یہ سارا فنڈ شریعہ بورڈ کی نگرانی میں ہوتا ہے، اس کے کہنے کے مطابق جہاں جن جن جگہوں پر وہ خرچ ہو سکتا ہے وہاں وہاں وہ خرچ کیا جاتا ہے، لیکن بہر حال یہ سوال موجود ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے، البتہ ''تحقیق مجلس حاضرہ'' نے اس کو جائز قرار دیا تھا۔ اب یہ کہ بعض حضرات اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بینک کو کیا ضرورت ہے کہ التزام بالتصدق کرے، تو واقعہ یہ ہے کہ یہ سوال اپنی جگہ پر ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں جو اس طرح کے لوگ ہیں، وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، بہر حال یہ مسئلہ اپنی جگہ موجود ہے، بسا اوقات یہ بات تحریر وغیرہ میں سامنے آئی ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کام عملی طور پر نہیں ہو سکتا ہے تو ہماری اس بات پر وہ کہتے ہیں کہ یہ نکتہ نظر کسی بینک کا تو ہو سکتا ہے مگر کسی عالم کا نہیں ہو سکتا، اس کے بارے میں میری عرض یہ ہے کہ جب کوئی مفتی یا عالم یا کوئی داعی کسی مسئلے پر بات کرے اور اس کا کوئی شرعی حل پیش کرے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو وہیں اتر کر اس کی جگہ کھڑا ہو کر سوچنا چاہئے کہ اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا تو واقعی یہ عملی مسئلہ میرے سامنے ہوتا کہ نہیں ہوتا، میں آج یہ پوچھتا ہوں کہ اربوں روپیہ کسی کو دیتے ہیں اور یہ پورا اندیشہ ہے کہ وقت پر ادائیگی نہیں کرے گا تو کیا ہم اسی طرح دینے پر رضا مند ہو جائیں گے کہ ہم تمہیں اربوں روپیہ دے رہے ہیں ہمیں پروا نہیں ہے کہ تم سال بھر کی بھی تاخیر کرو؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ جس کسی مسئلے کا عملی حل تلاش کیا جائے پہلے اس آدمی کی جگہ اتر کر دیکھئے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو آیا یہ مسئلہ میرے سامنے آتا کہ نہ آتا؟ تو اس صورت میں، میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ ہے، لیکن بہر حال یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ کہ چونکہ مالکی مذہب کا قول لیا گیا ہے اور مالکی مذہب کا بھی مرجوح قول لیا گیا ہے، لہٰذا یہ خروج عن المذہب ہے تو خروج عن القول لیا گیا ہے، لہٰذا یہ خروج عن المذہب کی وجہ سے اس کی شرائط یہاں نہیں پائی جا رہی ہیں تو اس میں گزارش ہے، بات قابل نظر ہے، غور کے لئے پیش کر رہا ہوں حضرات اہل افتاء کے لئے خروج عن المذہب اس کو کہتے ہیں کہ اگر ہمارے مذہب کہیں کوئی مسئلہ مصرح ہو کہ چیز ناجائز ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر مالکی مذہب یا شافعی مذہب سے، جب کہ وہاں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے تو یہ خروج عن المذہب ہے اور اس کے لئے وہ شرائط بھی ہیں، مگر وہ بھی ہو سکتا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس کا دروازہ بالکل بند ہو، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حاجات عامہ کے لئے، لیکن خروج عن المذہب اس کو کہتے ہیں۔

لیکن ایک مسئلہ اگر حنفی مسلک میں موجود نہیں ہے نہ اجازاً نہ تحریماً، اس صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حنفی مذہب میں اگر تصریح نہ ہو تو کہاں جاؤ، مالکیہ کے پاس؟ وہ کہتے ہیں کہ مالکیہ کی فقہ میں تلاش کرو، تو ایک ہمارے ہاں اگر نہیں ہے دوسری جگہ ہے تو اس کو خروج عن المذہب نہیں کہا جائے گا، تو یہ خروج عن المذہب ہے یا نہیں اس کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ خروج عن المذہب جو ہے وہ حاجات عامہ کی وجہ سے ہے، تو بہرحال تھانوی رحمہ اللہ سے ہمارے والد رحمہ اللہ نے خود سنا کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے معاملات کے اندر صریح اجازت لی ہے، اس حوالے سے ائمہ اربعہ میں سے جہاں بھی لوگوں کے لئے توسع ہو اس کو اختیار کروں، تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے صریح اجازت لی، ہمارے والد صاحب نے ۔بعینہٖ یہی الفاظ سنے میں نے، شاید کہیں لکھے بھی ہیں، یہ ہے کہ یہ خروج عن المذہب کی جو بات ہو رہی ہے وہ التزام بالتصدق کے سلسلے میں ہو رہی ہے۔

بینکاری سے متعلق تمام کام علماء کی رائے سے کیا

میرے کام کی اصل بنیاد "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کی وہ رپورٹ تھی جو احسن الفتاویٰ میں شائع ہوئی ۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اسلامک بینکنگ پر گزشتہ چند ماہ کے دوران جید علماء کے مابین اختلاف کی جو صورتحال پیدا ہوئی اسکی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حال ہی میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے مفصل خطاب کے دوران بیان فرمائی جو نذر قارئین ہے۔

اس موضوع پر کئی اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں مگر موجودہ فضا میں اب گفتگو ان حالات کے پس منظر سے قطع نظر کر کے نہیں کی جا سکتی جن حالات میں یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔

پچھلے دنوں اس موضوع پر جو واقعات پیش آئے اگر اس سے قطع نظر کر کے بات کی جائے تو شاید مفید نہ ہو۔

الحمدللہ بہت بے تکلف مجلس ہے اگر صورت حال کی وضاحت کی جائے تو بظاہر نامناسب نہ ہوگا، گزشتہ دنوں جو حالات اس حوالے سے سامنے آئی ہیں اور اس پر جو آراء سامنے آئی ہیں اگر اس پر گفتگو نہ ہو تو شاید بات اس مجلس میں اتنی مؤثر نہ ہوگی۔

پہلے تو میں مختصراً یہ عرض کردوں کہ اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کا جو تصور اس وقت ابھرا ہے وہ آج کوئی نیا نہیں ہے اور چونکہ مجھے کچھ اس میدان میں کام کرنے کا موقع ملا، اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر ہے کہ شاید میں ہی اس کا موجد یا علمبردار ہوں، واقعہ یہ نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے "سود" ان عظیم گناہوں میں سے ہے جس کے بارے میں اللہ ﷻ نے وہ الفاظ استعمال کئے جو کسی اور گناہ کے لئے نہ کئے " فاذنوا بحرب من اللّٰه و رسوله " یہ ارشاد "زنا" کے لئے نہیں ہوا، شراب "خمر" کے لئے نہیں ہوا، بد سے بدتر گناہ کے لئے نہیں ہوا، پھر یہ مسئلہ عدالتی سطح پر اٹھا، وفاقی شرعی عدالت میں سپریم کورٹ کے شریعت بینچ میں یہ مسئلہ آیا اور وہاں مہینوں اس پر بحث جاری رہی اور وہاں پر ہم نے سپریم کورٹ کی طرف سے فیصلہ دیا کہ یہ "ربا" یعنی بینکوں کا "ربا" بھی "سود" کی تعریف میں شامل ہے اور وہ فیصلہ نافذ بھی ہوا، لیکن اسی فیصلہ کے پاداش میں بالآخر وہ بینچ توڑ دی گئی، اور پھر میں اس بینچ سے الگ ہوگیا، لیکن الحمدللہ مجموعی فضا میں وہ سارے دلائل جو پیش کئے گئے تھے وہ علمائے حق کی کاوشوں سے اور اللہ ﷻ کے فضل وکرم سے ختم ہوئے۔

اسلامی نظریاتی کونسل میں جب یہ 1977 میں ضیاء الحق کے زمانے میں قائم ہوئی تو اس میں علامہ بنوری رحمہ اللہ بھی اس کے رکن تھے مجھے بھی اس کا رکن چنا گیا تھا، اس وقت کونسل کے جو اہم کام کرنے کے تھے اس میں سرفہرست یہ کام تھا کہ بینکوں کو "سود" سے پاک کیا جائے، اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کی جلد ہی وفات ہوگئی تو لہٰذا پھر مولانا شمس الحق افغانی صاحب ان کی جگہ تشریف لائے اور پھر کونسل نے اپنی رپورٹ مرتب کی، رپورٹ یہ تھی کہ کس طرح بینکوں کو "سود" سے پاک کیا جائے، اس پر جو حضرات اس وقت موجود تھے مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، حضرت مفتی ضیاء الدین کا کاخیلؒ اور ہمارے بریلوی دوستوں میں سے حضرت مفتی حسین نعیمی صاحب یہ سب حضرات اس وقت موجود تھے اور ان کی محنت کے نتیجے میں یہ رپورٹ تیار ہوئی اور انگریزی اور اردو، دونوں میں شائع ہوگئی، لیکن جب حکومت نے اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو اس میں طرح طرح کی تحریفات کردیں، اس کا حلیہ بگاڑ ڈالا اور اپنے من مانے طریقہ پر اس کو نافذ کیا، اس وقت ہم نے اس کے خلاف آواز اٹھائیں، مضامین لکھے، اخبارات میں بیانات دیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ محض ایک دھوکہ تھا جس انداز میں ہم نے رپورٹ پیش کی اس پر صحیح طریقہ سے عمل درآمد نہیں کیا گیا، لیکن جب ہمارا یہ اجلاس آگے بڑھا تو ایک مرحلے پر حکومت سے گفتگو ہوئی اور حکومت نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ صاحب اس کی ترمیمات تجویز کریں اور اسے صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کی جائے، چونکہ اس وقت جب یہ کام شروع ہونے لگا تو ہمارے والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ) کے زمانے میں ایک مجلس تھی "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کے نام سے اس میں اس وقت حضرت والد صاحبؒ، حضرت بنوریؒ، حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ تھے، تو اس وقت ایک مجلس منعقد ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جو معاملہ غلط رخ پر مڑ گیا ہے اس کو درست کیا جاسکے۔

چنانچہ ایک مجلس دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوئی اور اس میں ایک متفقہ رپورٹ تیار ہوئی، اس میں جو طریقے جس حد تک جائز ہو سکتے تھے اس میں اس کی نشاندہی کی گئی، اس مجلس میں حضرت مفتی رشید صاحب، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا سحبان محمود صاحبؒ، اشرف المدارس کے مولانا محمد انور صاحب یہ حضرات موجود تھے، اس میں ہم (مفتی محمد تقی عثانی اور مفتی محمد رفیع عثانی) بھی شامل تھے۔ تو اس وقت جو تجاویز مرتب ہوئیں اسے پھر حضرت مفتی صاحب (مفتی رشید احمد) نے ''احسن الفتاوئی'' میں بھی شائع کر دیا۔ اس کی ساتویں جلد میں موجود ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس پر بھی عمل درآمد نہ ہوا، اور حکومتی سطح پر جو بینک تھے وہ اسی سابقہ ڈگر پر چلتے رہے اس میں کوئی تبدیلی انہوں نے نہیں کی اسی دوران یہ آواز اٹھی کہ اگر حکومتی سطح پر ایسے ادارے قائم نہیں ہو رہے تو پھر پرائیوٹ اور نجی سطح پر کچھ غیر سرکاری ادارے قائم کئے جائیں، سب سے پہلے پاکستان میں شروع ہو رہا تھا مگر ان حالات کی وجہ سے شروع نہ ہو سکا، لہٰذا عرب ممالک میں شروع ہوا، اس کے لئے بھی وہاں کے علماء کی مجلس منعقد ہوئیں، اور ان میں بھی کم و بیش انہیں مسائل پر اتفاق ہوا جو ''تحقیق مجلس مسائل حاضرہ'' میں ہوا تھا، اس کے بنیاد پر ادارے قائم ہوئے، پاکستان میں پھر ایسے بینکوں کا قیام شروع ہوا، شروع میں ''فیصل بینک'' کے نام سے بینک تھا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اسلامی طریقہ پر کام کرے گا، میں نے بہت مدت اس کے کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی اور بالآخر مجھے اسے چھوڑنا پڑا، لیکن بعد میں پھر کچھ اور ادارے وجود میں آئے، اس میں انہوں نے ہماری تجویز کو مانا اور ہمیں ہماری تجاویز ماننے کی مکمل یقین دہانی کرائی، اس کے بعد یہ چند بینک یہاں پاکستان میں قائم ہوئے، یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہاں پاکستان میں اسلامی بینک کے نام سے جو بینک قائم ہیں اس کے بارے میں بعض اوقات یہ تاثر لوگوں میں رہا کہ شاید ہر بینک سے میرا تعلق ہے یا ہر بینک میری ہدایت پر چلتا ہے یا ہر بینک کو میں تصدیق نامہ دیا ہوا ہے، پاکستان میں صرف تین بینکوں سے میرا تعلق ہے۔

(۱) میزان بینک

(۲) بینک اسلامی

(۳) خیبر بینک

اور یہ تعلق اسی معنی میں ہے کہ ان بینکوں کا ایک شریعہ بورڈ ہے جس کا کام ہے وہ بینک کے اسلامی اور شرعی امور کی درستگی اور دیگر شرعی معاملات پر نظر رکھے اور اس پر کام کرے، اسی بورڈ میں ایک عضو کی طرح کام کرتا ہوں، جب کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید میں ان بینکوں کو خود ''مالک'' ہوں یا میں ان کا ''شیئر ہولڈر'' ہوں یا میں ان کا ''منتظم'' ہوں جب کہ یہ غلط خیالات ہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ مذکورہ بینکوں کے علاوہ کسی بینک سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، اور ان تین بینکوں سے بھی میرا تعلق صرف شرعی مسائل کی حد تک ہے، انتظامیات اور ملکیت سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ حقیقی صورت حال ہے، جب کہ لوگ سمجھتے ہیں یہ میرے ہیں اسی لئے مجھ سے کہتے ہیں ''آپ کا'' بینک کھلا ہوا ہے، یہاں تک کہ کوئی دن ایسا خالی نہیں جاتا کہ میرے پاس ایسی درخواستیں نہ آتی ہوں کہ میرے فلاں رشتہ دار کو اس بینک میں بطور ملازم رکھ لیا جائے، یہاں تک کہ بعض ایسے حضرات جنہوں نے اسلامی بینکاری

کے خلاف فتویٰ دینے میں کردار ادا کیا یا انہوں نے اس پر کوئی تقریظ لکھی، انہوں نے میرے پاس درخواستیں بھجوائیں کہ ہمارے فلاں عزیز کو نوکری دی جائے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے سفارش کیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میرا اس بینکاری نظام سے متعلق جو کام ہے اس میں کام کرنے کی بنیاد اصل ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی وہ رپورٹ تھی جو ''احسن الفتاویٰ'' میں چھپی۔ لہٰذا میں اپنے طور پر سمجھتا تھا کہ میں نے یہ سب انفرادی طور پر نہیں کیا ہے بلکہ علمائے کرام کی رائے سے کیا ہے، تو اس وقت جو علمائے کرام تھے ان کی تصدیق کے ساتھ جو بات تھی وہ کہی ہے، لہٰذا میرا ایسا خیال نہیں تھا کہ میں کوئی تفرد کی راہ اختیار کر رہا ہوں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ ضروری نہیں دوسرے اہل علم بھی اس کام سے پوری طرح مطمئن ہوں، لہٰذا اگر کسی عالم کی طرف سے کوئی سوال آتا تھا یا کوئی اشکال آتا تھا تو اگر کسی نے براہ راست سوال کیا تو براہ راست جواب دینے کی کوشش کی، اگر کسی نے تحریری طور پر سوال کیا تو میں نے تحریری طور پر جواب دینے کی کوشش کی، بلکہ بعض علمائے کرام نے کہا بھائی! ہم یہ نظام دیکھنا چاہتے ہیں سو ہم نے ان علمائے کرام کو وہاں (بینکوں میں) بھیجا آپ جا کر جائزہ لیں، کاغذات دیکھیں پڑھیں بلکہ بعض علمائے کرام نے تو دس دس دن لگائے اور انہوں نے اندرونی طور پر اس کام کا جائزہ لیا، اس کے بعد کچھ نے اطمینان کا اظہار کیا، کسی کو کچھ شبہات بھی تھے، کسی کوئی تجاویز بھی پیش کیں تو اس کے مطابق اس پر عمل کیا گیا، لیکن ایک بات ضرور ہے کہ بعض علمائے کرام کی طرف سے کوئی تحریر لکھ کر چھاپ دی گئی تو جو مطبوعہ تحریر تردید میں چھاپ دی گئی تو اس میرا طرز عمل یہ ہے، پتہ نہیں وہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ کہ میں یہ کرتا ہوں کہ میں اس کو پڑھتا تو اس نیت سے ہوں اگر میری کوئی غلطی ثابت ہو تو اس پر غور کروں، اگر اس پر رجوع کرنا مناسب ہو تو رجوع کر لوں، لیکن اگر پڑھنے کے بعد میں اس سے متفق نہ ہوں تو اس کی تردید کی فکر میں نہیں پڑھتا کہ اس کے جواب میں، میں ایک رسالہ لکھ کر اس کی تردید کی فکر کروں تو ایسا میں نہیں کرتا، نہ یہ میرا معمول رہا ہے، اور نہ ہی ایسا میں پسند کرتا ہوں، خواہ مخواہ اس سے ردوقدح کی فضا پیدا ہوتی ہے، ہاں! اگر کوئی براہ راست رجوع کر کے کوئی سوال کرے تو اس کا جواب ضرور دیتا ہوں، اگر کسی نے تحریری سوال کیا تو اس کا جواب میرے ذہن میں آیا میں نے دیا، اس کی میرے پاس سوال جواب کے نام سے ایک موٹی فائل موجود ہے، اس کے باوجود بھی یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے اس کے علاوہ بھی مختلف اجتماعات میں میں عرض کرتا رہا ہوں کہ اگر اس کام سے متعلق کوئی سوالات اشکالات ہوں تو بلاشبہ اسے سامنے لایا جائے تاکہ اس پر ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچا جائے، گفتگو ہو، اس کے نتیجے میں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی متفقہ حل نکل آئے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا قول صحیح ہو دوسرا اس سے رجوع کرے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں طرف کا اختلاف اپنی اپنی جگہ باقی رہے اور اختلاف آراء بھی باقی رہے، یہ معمول رہا ہے۔

پچھلے دنوں یہ واقعہ پیش آیا کہ میرے مخدوم بزرگ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے یاد فرمایا، پہلے خود فرمایا کہ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں مگر میں نے عرض کیا کہ میں خود حاضر ہو جاؤں گا، چونکہ حضرت نے مجھے یاد فرمایا تو میں جامعہ فاروقیہ میں حاضر ہوا، اس سے پہلے ٹیلی فون رابطے پر جب حضرت سے میں نے عرض کیا کہ کیا موضوع ہے؟ تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے حضرت نے جواب دیا کہ بینکاری سے متعلق آپ سے مشورہ کرنا تھا تو میں عرض کیا کہ میں حاضر ہو جاؤں

گا، انشاء اللہ اور بہتر یہ ہے کہ اگر اس پر ایک اجتماع ہی بلا لیا جائے تا کہ وہاں اس میں اس پر کچھ غور وفکر ہو جائے، حضرت نے فرمایا نہیں، !بس صرف تم ہی سے مشورہ کرنا ہے، چنانچہ میں وقت مقررہ پر حاضر ہوا تو وہاں کچھ دوسرے علمائے کرام بھی تشریف فرما تھے، کراچی کے کچھ مفتی حضرات تھے، کچھ دوسرے علماء بھی تھے، حضرت نے مجھے ایک تحریر پڑھ کر سنائی۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی پہلی تحریر کا خلاصہ!

تحریر اس وقت میرے پاس موجود ہے، مگر میرے خیال سے اسے پڑھ کر سنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تحریر کا خلاصہ سنا دیتا ہوں!

تم سے بینکاری کا نظام جاری کرنے میں غلطی ہوئی ہے (اور یہ بھی فرمایا کہ) سننے میں آیا کہ آپ اس مسئلے پر اپنے آپ کو "أعلم الناس" سمجھتے ہیں، اگر چہ مجھے اس قول کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہوئے شبہ ہوتا ہے مگر اگر آپ نے ایسا کہا ہے تو پھر یہ "میاں مٹھو" بننے کی بات ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اتنے عرصے سے اس مسئلے پر علمائے کرام کے درمیان اضطراب پایا جاتا ہے، آپ نے اس اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہر حال غلطی پر ہیں اور یہ اضطراب اسی غلطی پر ہوا۔

یہ حضرت نے مجھے مجمع میں تحریر سنائی، پھر حضرت نے کہا چلیں اب دعا کر لیں! میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! اب میں کچھ عرض کروں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی! مجھے ایئر پورٹ جانا ہے، ابھی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ تو میں نے کہا حضرت آپ نے مشورہ کے لئے بلایا تھا؟.......... کہنے لگے نہیں، نہیں، نہیں میں نے مشورے کے لئے نہیں، بس یہ تحریر سنانے کے لئے بلایا تھا، بہر حال! حضرت اس وقت اٹھ کر تشریف لے گئے، مجھے اس وقت بات کرنے کا موقع نہیں ملا، بعد میں جب میں حضرت کے ہاں سے اٹھ کر واپس آ گیا تو حضرت کے نام میں نے ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خط کا خلاصہ!

اس وقت آپ نے کچھ موقع نہیں دیا تھا تو میں کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں، ابھی میں نے جو تفصیل آپ کو بتائی ہے وہ تقریباً میں نے حضرت کو خط میں لکھ دی......اور میں نے عرض کیا کہ اب بھی موقع ہے بینک کا نظام جو کہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے جیسا کہ آپ سے میں نے عرض کیا کہ بینک نظام نے اس وقت جال بچھا کر پنجے گاڑے ہوئے ہیں تو بینک کے کسی ایک طریقے کو بسا اوقات تبدیل کرنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا اکاؤنٹنگ کے طریقے الگ ہیں، اس کے حسابات رکھنے کے طریقے الگ ہیں، اس کے آڈیٹنگ کے طریقے الگ ہیں، لہٰذا جب یہ نظام پھیلا تو اس بات کا خیال آیا کہ جب تک اس کے اکاؤنٹنگ کے طریقے تبدیل نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ نظام درست نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہر چیز کے لئے الگ الگ ادارے قائم ہوئے، پھر چونکہ مختلف بینک قائم ہو رہے تھے پوری دنیا میں اور ہر بینک کا ایک شریعہ بورڈ ہے اس کے اندر علماء ہیں اب چونکہ مسائل ایسے ہیں کہ جو غیر منصوص ہیں تو ان کے بارے میں آراء میں اختلاف ہو جاتا ہے، ایک بینک کا شریعہ بورڈ اس سے متعلق کہہ رہا ہے کہ جائز ہے

،ایک بینک کا شرعیہ بورڈ کہہ رہا ہے کہ نا جائز ہے، اب دونوں کے درمیان معاملہ ہو تو کیسے ہو؟...... تو اس کے لئے مجلس **"معا ییر الشرعیۃ"** قائم ہوئی کہ بھئی! ایسے **"معا ییر"** تیار کئے جائیں جو سارے اداروں میں یکساں طور پر نافذ ہو سکیں، وہ **"مجلس الشرعی"** کے نام سے ہے، جس کا دفتر بحرین میں ہے مگر ہر چھ ماہ میں اس کا ایک اجلاس مکہ مکرمہ میں دوسرا مدینہ منورہ میں ہوتا ہے، تو ہیں علمائے کرام ایسے ہیں جو مختلف بینکوں کی شرعیہ بورڈ میں کام کر رہے ہیں، ان کی نمائندگی ہے اس میں علمائے کرام بینک کے امور کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس کا کیا معیار ہونا چاہئے **"المعاییر الشرعیۃ"** کے نام سے کتاب شائع ہوئی ہے جس میں تیس سے زیادہ **"معا ییر"** ذکر ہیں۔

تو میں نے کہا کہ یہ سارا کام اس طریقے سے ہوا ہے، اس کو بیک جنبش قلم کہہ دینا کہ یہ سب غلط ہے، ناجائز ہے، حرام ہے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اس سے بہتر ہے کہ اس میں اگر کوئی خامی ہو تو اس کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرنے چاہیئے، اس کے لئے جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ایک اجتماع ہو چکا ہے، ایک اجتماع مزید ہو جائے کہ جس میں کھلے دل سے آزادی کے ساتھ غور کر لیا جائے، اس میں اگر کوئی قابل اصلاح عمل ہے تو اس کی اصلاح کر لی جائے، اور اگر ہاں! اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہ ہو تو پھر بات دوسری ہے، جب میں نے یہ خط لکھا تو حضرت والا خود تشریف لائے، حضرت نے علیحدگی میں بات کی اور فرمایا کہ اس سے پہلے میں عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کا ادنیٰ سا شاگرد ہوں، اگر مجھے ڈانٹیں گے بھی تو انشاء اللہ اس میں میری عزت افزائی ہی ہوگی، لیکن چھوٹے کو شکایت کا ضرور حق ہوتا ہے تو شکایت یہ ہے کہ اتنے عرصے سے آپ سے ہماری نیازمندی ہے ،آنا جانا ہے، سفر و حضر میں ساتھ رہا ہے، ملاقاتیں ہوتیں رہی ہیں، مشورہ ہوتے رہے ہیں، کبھی بھی آپ نے اشارۃً یا کنایۃً مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں فرمائی اور آج اچانک آپ نے مجھے تحریر دی اور پھر مجھے موقع نہیں دیا، یہ شکوہ بھی میں نے کیا چونکہ آپ کے ہمیشہ کے مشفقانہ رویئے سے یہ چیز مختلف نوعیت کی نظر آئی ہے تو اس واسطے مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی سازش نہ ہو؟

پھر حضرت نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بات کی، میں نے حضرت کے سامنے تمام طریقہ کار اسلامک بینکنگ کا رکھا، حضرت نے کہا کہ مثلاً یہ تمام بینک **اسٹیٹ بینک** کے ماتحت چل رہے ہیں اور اسٹیٹ بینک ایک **سودی** ادارہ ہے اس کے ماتحت کیسے کوئی شریعہ بورڈ بن سکتا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ وہی باتیں ہیں کہ اگر اس سے پہلے بات ہو جاتی ہو دو منٹ میں شاید مسئلہ حل ہو جاتا، میں نے عرض کیا کہ اگر چہ اسٹیٹ بینک نگرانی کرتا ہے مگر سودی بینکاری کے لئے اسٹیٹ بینک بالکل الگ ایک بورڈ ہے، لہٰذا کسی بینک کو غیر سودی معاملات میں کسی معاملے پر اسٹیٹ بینک کے آگے مجبور نہیں ہونا پڑتا، لہٰذا یہ کہنا کہ چونکہ یہ بینک اسٹیٹ بینک کے ماتحت ہیں، اس لئے بلا سود اسلامی بینکاری نافذ نہیں ہو سکتی یہ بات صحیح نہیں ہے، تو خیر! کافی تفصیلی گفتگو ہماری ہوئی، میں نے بینکاری سے متعلق تمام تفصیل حضرت کے سامنے رکھی جس کے بعد حضرت نے کہا کہ بھئی! آج کی مجلس سے تو بڑا فائدہ ہوا کہ ایسی بہت ساری باتیں جس کا مجھے علم نہیں تھا آج پتہ چلا، لیکن بہر حال کچھ فقہی اشکالات ہیں جن کا کوئی حل ہونا چاہیئے، میں نے کہا بے شک اس کے لئے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس پر اجتماع ہو جائے، مذاکرہ ہو جائے اور اس پر غور و فکر ہو جائے۔ میں نے یہ

بھی عرض کیا کہ اگر مثال کے طور پر اجتماع میں مذاکرے سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ سب غلط ہے تو مجھے اس سے رجوع کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوگا، لیکن یہ کہ گفتگو اور دلائل کے بعد ثابت ہو جائے تب! تو حضرت نے فرمایا کہ بات تو معقول ہے انشاء اللہ اجتماع بلوالوں گا، اور میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے تحریر میں بھی عرض کیا تھا کہ اسلامی بینکاری کے عدم جواز پر ایک فتویٰ مرتب کر کے وسیع پیانے پر اس کی تشہیر بھی کی جائے گی، اگر اسی فیصلہ کے تحت فتویٰ جاری ہوا تو پھر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس کا اس وقت تک فائدہ نہیں ہوگا جب تک جانبین کے ایک دوسرے کے لئے دل کھلے نہ ہوں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں جو بات ہماری آپ سے ہوگئی سو ہوگئی، اجتماع ہوگا، اس کے لئے ضابطہ اخلاق آپ ہی تجویز کرلیں، جگہ آپ ہی منتخب کرلیں، لیکن جن حضرات کو ہم اس اجتماع میں جمع کرنا چاہتے ہیں وہ آج کل یہاں نہیں ہیں، لہٰذا کچھ عرصہ بعد میں خود ہی آپ سے رابطہ کر کے آپ کو آگاہ کردوں گا، یہاں یہ بات ختم ہوگئی اور گویا خوشگوار ماحول میں ہوگئی، اور ہمیں بھی اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ اجتماع منعقد ہوگا، بعد میں ہمارے دارالعلوم میں ممتحنین کے حوالے سے اجتماع منعقد ہوا، مجھے حنیف جالندھری صاحب نے کہا تھا کہ حضرت اس اجتماع میں آپ کو اجتماع سے متعلق باخبر کردیں گے، جب اس اجتماع میں بھی حضرت نے کچھ نہیں فرمایا تو میں خود حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس اجتماع کی کیا ترتیب ہوئی؟ تو انہوں نے عرض کیا، پہلے عرض کیا کہ بھئی! سنا ہے آپ کے خلاف یہودی مضامین لکھ رہے ہیں، میں نے کہا جی حضرت! بالکل اور واقعہ یہ ہے کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ میرے خلاف مضامین نہ لکھے جاتے ہوں، اور امریکہ، برطانیہ وغیرہ کے اخبارات میں مجھے مغلظ گالیاں نہ دی جاتی ہوں، دراصل یہود نے پوری دنیا میں ایک کاروبار شروع کیا جس میں اسلامی ممالک ملوث ہوئے، پوری دنیا میں اس کا بلین کا کاروبار ہورہا تھا، میں نے اس کاروبار سے متعلق فتویٰ دیا کہ یہ 85 فیصد حرام ہے اور یہ خبر مشرق وسطیٰ میں اور دیگر ممالک میں شائع ہوئی کہ یہ جو صفوف کا یہ کاروبار شروع ہوا ہے یہ شرعاً حرام ہے، اس خبر کے نتیجے میں صفوف کا یہ کاروابار پوری دنیا میں تقریباً رک گیا تو انہوں نے کچھ مالیاتی اداروں کو خطوط لکھے کہ دیکھیں یہ شخص جو آپ کے مالیاتی اداروں میں شرعی بورڈ کا چیئر مین ہے جو کہ ایک جہادی ہے، جس کا یہ نظریہ چھپا ہوا موجود ہے کہ جہاد صرف دفاعی نہیں ہوتا بلکہ اقدامی بھی ہوتا ہے، جس کا تعلق مدارس سے ہے، ایسے شخص کے ہاتھ مالیاتی اداروں کی بھاگ دوڑ دیدی گئی، جو کہ قطعی طور پر ٹھیک نہیں ہے! تو اس طریقہ کے مضامین روزانہ شائع ہورہے ہیں تو حضرت کو بھی کسی نے بتادیا تھا اس سے متعلق، تو کہنے لگے کہ ایسے مضامین آرہے ہیں، آپ کے خلاف، ظاہر ہے اس لئے آرہے ہیں کہ آپ کے کام سے ان کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہوگا، میں نے کہا بالکل حضرت، تو کہنے لگے یقیناً کوئی نظام ایسا ہونا تو چاہیئے، مگر یہ ہے کہ فقہی اشکالات سے پاک ہونا چاہیئے، تو میں نے کہا بالکل صحیح بات ہے اسی لئے میں کہا تھا کہ ایک اجتماع ہو جائے اور تفصیلی طور پر اس میں گفتگو ہو جائے۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت پھر اس اجتماع کے لئے آپ نے کیا سوچا اس کا طریقہ ہوگا تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہماری تو میٹنگیں ہورہی ہیں، میں نے کہا کس کی میٹنگ ہورہی ہے تو انہوں نے نام لئے، تو یہ حضرات جمع ہورہے ہیں اور ایک تحریر کی فوٹو اسٹیٹ تھی فرمایا کہ ک 10 بجے سے شام 3 بجے تک میٹنگ ہوئی اور ہم نے اس تحریر کی صرف خواندگی کی ہے اور اس میں طے یہ ہوا تھا کہ بیچ میں کوئی بولے گا نہیں محض تحریر کی

خواندگی کی جائے گی چنانچہ کل صبح 10 بجے صبح سے 3 بجے تک صرف تحریر کی خواندگی ہوئی ہے، مگر ابھی وہ مکمل نہیں ہے تو میں نے کہا کہ حضرت! پھر وہ اجتماع کب اور کیسے ہوگا؟ اور اگر تحریر اس طرح تیار ہو جائے تو ہم اس کو بعد میں پڑھیں گے؟ یا اس پر غور کریں گے؟ یا کیا طریقہ ہوگا؟ فرمایا کہ میں ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ جو حضرات تحریر تیار کر رہے ہیں وہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے، تو میں نے کہا حضرت! آپ نے تو کہا تھا کہ ہم اجتماع بلائیں گے اور اس پر باہمی مشورہ ہوگا تو حضرت نے کہا کہ نہیں دراصل انہوں (علماء) نے کہا ہے کہ جب یہ تحریر تیاری کے بعد آپ کے پاس آئے گی تو آپ یہ کہہ دیں گے کہ یہ بھی ایک رائے ہے اور میری بھی اپنی رائے ہے۔

میں نے کہا حضرت! اجتماع کا تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق اشکالات کا احتمال ذہن میں رکھیں، ہوسکتا ہے وہ اشکال ایسا ہو کہ اس کا جواب ہو سکے، ہوسکتا ہے کہ وہ اشکال ایسا ہو کہ اس کے نتیجے میں ہم جو کچھ سمجھ رہے تھے وہ غلط ثابت ہو تو ہم اس سے رجوع کرلیں، احتمال تو دونوں ہی ہونے چاہئیں، تو کہنے لگے کہ بہرحال! وہ حضرات یہ فیصلہ کریں گے آپ تو جانتے ہیں کہ میں مفتی نہیں ہوں، مجھے اس بارے میں کوئی خاص معلومات نہیں ہیں۔

میں نے کہا حضرت! آپ تو ہمارے استاد ہیں، کہنے لگے ہاں! ہوں مگر آپ کو معلوم ہے ہر آدمی کی اپنی فیلڈ ہوتی ہے اور فتویٰ میرا میدان نہیں ہے اور میں مفتی حضرات کے کہنے پر یہ کام کر رہا ہوں، تو بہرحال! میں نے کہا حضرت ایسا نہ ہو کہ پھر آپ کہیں کہ میں نے مطمئن نہیں کیا تو کیا میرے کرنے کا کوئی کام ہے اس میں؟ حضرت نے فرمایا تمہارے کرنے کا کوئی کام نہیں ہے، میں نے کہا ٹھیک ہے پھر آپ جو تحریر فرمائیں گے اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ کہنے لگے یہ فیصلہ تو وہی لوگ (مفتیان کرام) کریں گے تو میں نے کہا ٹھیک ہے مگر ایک بات اس میں مدنظر رہے۔

تو اس پر حضرت نے فرمایا نہیں تمہارا مؤقف تو کتابوں میں چھپا ہے ہوا ہے اور دیگر تحریروں میں لہٰذا کافی ہے تو اس پر بات ختم ہوگئی۔

پھر اچانک معلوم ہوا کہ یہ اجتماع ہوا اور اس میں فتویٰ شائع ہوا جو اخبارات میں چھپا، یہ صورت حال ہے جو واقعہ کی تفصیل تھی، یہ میں نے اس لئے عرض کردی کہ اس مسئلے سے متعلق طرح طرح کی افواہیں تھیں، طرح طرح کی غلط سلط خبریں تھیں جو مشہور ہو رہی تھیں، اس لئے میں نے یہ حقیقت عرض کردی، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ طرز عمل کیسا ہے کیسا نہیں، یہ بات الگ ہے مگر فی نفسہ معاملہ دین کا ہے، لہٰذا اگر کوئی ہمارے طرز عمل میں غلط ہے تو وہ غلط ہے اور اگر کوئی صحیح ہے تو صحیح ہے، اگر کوئی اشکالات ایسے ہیں اور یقیناً ہیں تو اس پر غور کیا جائے، چنانچہ جب فتویٰ شائع ہوا تو اس میں کوئی دلیل نہیں تھی اور عدم جواز کے سلسلے میں کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی تھی، تو ہم اس انتظار میں تھے کہ کہ جن بنیادوں پر یہ فتویٰ دیا گیا ہے وہ بنیادیں سامنے آئیں اور اشکالات سامنے آئیں، کافی دن تک اس پر کوئی تحریر سامنے نہیں آئی، دلائل سے متعلق تو رمضان کے مہینے میں چونکہ مجھے پتہ چلا تھا کہ یہ بنوری ٹاؤن کے مفتی صاحب نے لکھی تھی، بنوری ٹاؤن سے گذر رہا تھا تو خیال آیا کہ میں خود ہی جاؤں ان سے کہوں کہ وہ تحریر مجھے دیدیں چنانچہ

میں گیا اور وہاں دارالافتاء کے ذمہ داران حضرات تھے ان سے میں نے درخواست کی کہ چونکہ اپنے لوگ تھے تو میں نے بے تکلفی میں کہا کہ بھئی! ہم آپ کے ساتھ بیٹھ کر کسی مسئلے کو سمجھنے اور سمجھانے کو تو اہل نہیں، لیکن سنا ہے آپ نے کوئی تحریر لکھی ہے تو اس تحریر کا اگر آپ ہمیں اہل سمجھتے ہوں تو کہ اگر ہم اس کو پڑھ لیں تو تحریر ہمیں عنایت فرمادیں، یہ میں نے ان سے عرض کیا کہ مگر اس پر مجھے وہ کوئی حتمی جواب نہ دے سکے، غالباً انہوں نے یہ کہا کہ ابھی پوری طرح تیار نہیں ہے بعد میں جب تیار ہوجائے گی تو انشاء اللہ آپ کو بھیج دیں گے، مگر وہ تحریر نہیں آئی یہاں تک کہ پھر رمضان بھی گذر گیا، شوال بھی گذر گیا، یہاں تک ابھی پرسوں جب میں چل رہا تھا تو کسی اور ذریعے سے یہ تحریر میرے پاس پہنچی، ان کی طرف سے میرے پاس نہیں آئی، پتہ نہیں یہ وہ تحریر ہے جو مطبوعہ شکل میں شائع ہونے والی ہے؟ یا کوئی اور ہے؟ بہر حال کسی اور ذریعے سے پہنچی تو میں نے اس کا مطالعہ کیا، میں آپ سے بے تکلف اور بغیر تصنع کے کہے دیتا ہوں کہ چونکہ اس میدان میں جو میں داخل ہوا ہوں درحقیقت یہ میری دلچسپی کا موضوع نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ جیسے کہ ایک آدمی کے امنگوں کا موضوع ہوتا ہے اس کو اس میں مزہ آتا ہے، اس میں دلچسپی لیتا ہے، میں نے ایک سیمینار میں یہ بات کہی تھی جو شاید کہ غلط نہیں ہے بلکہ یقیناً غلط نہیں ہے کہ میں اس کام میں ضرورت کے تحت داخل ہوا تھا، جیسے ایک آدمی ضرورتاً کوئی کام کرتا ہے بالکل ایسے جیسے بیت الخلاء میں آدمی ضرورت کے لئے داخل ہوتا ہے مگر یہ داخل ہونا اس کی امنگوں کا اس کی سوچ کا اور اس کے شوق کا مرکز نہیں ہوتا کہ بیت الخلاء جاؤں گا اور وہاں بیٹھوں گا، یہی صورت حال میری اس موضوع سے متعلق بھی ہے، معاشیات کے پورے موضوع میں میں ضرورتاً داخل ہوا تھا، میری ذاتی دلچسپی کا موضوع یہ نہیں ہے کیونکہ اس میں بے شمار گھاٹیاں ہیں، اس میں مسائل ہیں لیکن ساتھ میں موقف شروع میں یہ اختیار کیا ہے کہ میں نے مختلف تحریروں میں اسلامی بینکاری سے متعلق جو باتیں لکھی ہیں اور جن قیود و شرائط کے ساتھ جن مختلف معاملات کو جائز قرار دیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہیں ۔بعض جزوی تسامحات کے علاوہ بحیثیت مجموعی درست ہے کہ ان قیود و شروط کو باقاعدہ عمل میں لایا جاتا تو وہ درست ہوجاتا مگر بینکاروں نے یہ ظلم کیا کہ ان قیود وشروط کا لحاظ نہیں رکھا، ان قیود وشروط کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے سارا نظام خراب ہوگیا اور اس طرح انہوں نے تقی عثمانی کے اوپر ظلم کیا، ظلم یہ کیا کہ ان کی قیود وشروط کو تو مدنظر رکھا نہیں اور اوراپنے آپ کو انہوں نے اسلامی کہنا شروع کردیا، حالانکہ ان قیود وشروط کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو قدرتی طور پر سوال اٹھتا ہے کہ مولانا کو چاہیئے کہ وہ ان بینکوں سے برأت کا اظہار کرتے، باوجود شروط کا خیال نہ رکھنے کے مولانا نے اپنے مورثی تسامح کا بنا پر رواداری والا رویہ رکھا، اس موثی تسامح کی تشریح یہ ہے کہ جو کہ تحریر کے صفحہ 19 پر ہے

-

تحریر کا اقتباس جو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے پڑھ کر سنایا!

''انتباہ ضروری ہے کہ جس طرح حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نظریہ پاکستان اور ان کی قرارداویں جس طرح خالص للٰہیت ست پر تھیں اس میں کسی کوئی شک کی گنجائش نہیں، اسی طرح ہمارے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے اخلاص وللٰہیت میں کاملاً اور ان کی مہیا کردہ منجملہ نظام کے کاملاً قابل نفاذ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا، مگر

ہزار افسوس کہ خانوادۂ عثمانی کے ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ان کے غیر مخلص دنیادار فقہاء نے دھوکہ دہی کا اور ناانصافی کا ایسا معاملہ روا رکھا کہ جس کی سزا اہلیان وطن نہ جانے کب تک بھگتے رہیں گے؟ اور آگے لکھا ہے کہ جس طرح علامہ رحمہ اللہ مخلص بھی تھے اور مظلوم بھی تھے، اسی طرح یہ بھی مخلص بھی ہیں اور مظلوم بھی ہیں، ان کے کہنے پر پوری طرح عمل نہیں ہوا اور پھر ایک حوالہ یہ بھی موجود ہے کہ اس میں کہ جس طرح حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام کے جھنڈے کے بارے میں لکھا تھا، جواہر الفقہ میں جسے علم نبوی سے مشابہت سے تعبیر کیا جا رہا تھا تو مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا کہ اگر یہ جھنڈہ علم نبوی سے مشابہت رکھتا ہے مگر اسے علم نبوی قرار دے کر اپنی فوقیت ثابت کرنا ٹھیک نہیں ہے، اسی طرح یہاں اسلامی لفظ لگانا بھی درست نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تحریر کے شروع میں تو مؤقف اختیار کیا گیا کہ میں جو تجویز پیش کی تھیں وہ بحیثیت مجموعی ٹھیک تھیں لیکن اس پر عمل نہ ہوا، اب عمل نہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ کس طرح عمل نہیں ہوا؟ تو اس کے لئے انہوں نے آگے لکھا ہے کہ ہم نے کوشش کی کہ کسی طرح وہ معاملات و کاغذات بینکوں سے حاصل کئے جائیں جن کی بنیاد پر معاملات ہوتے ہیں، لیکن وہ ہمیں مہیا نہیں ہوئے، وہ معاملات و کاغذات باوجود کوششوں کے ہمیں نہیں ملے، اب اس میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ کیا کوششیں کیں؟ اگر ذرا سا فون مجھے کر لیتے کہ بھئی! ہمیں کاغذات درکار ہیں تو اس کے دینے میں ہمیں پہلے بھی تامل نہیں ہوا اور نہ اب ہوا ہے، جن لوگوں نے بھی ہم سے کہا ہے انہوں نے ہم سے حاصل کر لئے ہیں، انہیں شاید کہیں سے ایسا کچھ ملا کیونکہ ایک صاحب مولانا اشرف زمان صاحب نے ایک مرتبہ ایک استفتاء ہمارے پاس بھیجا تھا جو مجھ سے خود آ کر انہوں نے یہ کیا کہا کہ میزان بینک کے کاغذات کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے کچھ اشکالات پیدا ہوئے ہیں، وہ میں آپ سے اس استفتاء کے ذریعہ حل کرنا چاہتا ہوں، آپ بہت مصروف ہیں آپ اپنے بیٹے عمران اشرف کے سپرد کر دیں یہ لا کر مجھے دیدیں گے، میں نے ان کے سپرد کر دیا، اب میرا حافظہ بھی بہت کمزور ہو گیا ہے مجھے یاد ہی نہیں رہتا کہ معاملہ کیا ہوا پھر انہوں نے ان کے ساتھ کچھ نشستیں رکھیں، ان نشستوں کے نتیجے میں ان کے ذہن میں یہ تاثر رہا کہ گویا وہ معاملہ حل ہو گیا، یعنی بات ختم ہو گئی، مگر بات ختم نہ ہوئی تھی تو انہیں وہ تحریر یا خط و کتابت کہیں سے ملی جس کے نتیجے میں انہوں نے کہہ دیا کہ جناب یہ سب غلط ہے، اب میں نے جب اس کو پڑھا تو پڑھنے کے نتیجے میں اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا کہ 90 فیصد اعتراض واقعہ کے مطابق نہیں ہیں، یعنی جس بات پر اعتراض ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے، مثلاً یہ کہا گیا کہ بینک میں جو حسابات ہوتے ہیں جیسے عقد مضاربت کے لئے یہ ضروری ہے تناسب معلوم ہونا ضروری ہے، رب المال کا کیا تناسب، کیا نفع ہوگا، مضارب کا کیا ہوگا، یہ اسے معلوم نہیں ہوتا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے، اس طرح بہت ساری جزئیات کے بارے میں ایسے اعتراضات ہیں جو کہ واقعہ کے خلاف ہیں، اگر اس پر ایک بار بیٹھ کر بات ہو جاتی تو بات سمجھ میں آ جاتی پھر ایک تحریر مولانا شیر علی صاحب کی طرف سے ملی، حضرت مولانا حمید اللہ جان سے ملی، اس میں بھی تقریباً 80 سے 90 فیصد معاملات وہ ہیں جن کے بارے میں ان کو غلط اطلاع ملی، اگر اس کی تحقیق آج بھی کرنا چاہیں تو معاملات واضح ہو جائیں گے، لیکن کچھ امور ایسے ہیں جن پر تنقید کی گئی ہے وہ واقعہ کے مطابق ہے اور ان کا تعلق واقعہ فقہی معاملات سے ہے۔

کیا سودی کاروبار کا متبادل فراہم کرنا علماء کی ذمہ داری ہے

بعض مرتبہ یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ طریقہ پہلے سے فقہ اسلامی میں موجود نہیں ہے، تو کیا ضرورت ہے کہ ہم اس طرف جائیں، اس کا متبادل لانے کی کیا ضرورت ہے اور یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کوئی متبادل طریقہ پیش کرنا علماء کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ علماء کا کام بس یہ ہے کہ وہ یہ کریں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تو لہٰذا اس کا کوئی متبادل پیش کرنے کی ہماری کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، تو لہٰذا ہم ایسی متبادل چیز کیوں لائیں جو فقہ اسلامی میں موجود نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی نیا استنباط کرنا پڑے تو اس پر میری گزارش یہ ہے کہ کوئی متبادل پیش کرنا کسی فقیہ پر اگرچہ واجب نہیں ہے تو کم از کم سنت ضرور ہے اور نبی کریم ﷺ نے جب تمر خیبر کے بارے میں فرمایا کہ ''صریح الربو'' اور فوراً ہی متبادل پیش فرمایا اور متبادل کا نتیجہ تقریباً وہی ہے جو اس پہلی صورت کا تھا جس کے بارے میں عام طور پر سے کہا جاتا ہے بھئی! یہ تو ہی ہو گیا، ناک گھما کے پکڑ لی، لہٰذا یہ ناجائز ہونا چاہیئے، اور نبی ﷺ نے صرف حرف حرام کہنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ فوراً اس کا متبادل بھی دیا، اگرچہ متبادل ایسا تھا کہ اس کے نتیجے میں وہی بات سامنے آ رہی تھی، تو یہ کہنا کہ متبادل پیش کرنے کی ذمہ داری ہماری نہیں ہے تو ذمہ داری فریضے کی حد تک تو شاید مجھے معلوم نہیں کہ ہے یا نہیں مگر سنت تو ضرور ہے، نبی ﷺ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے سارے اکابر کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں حتی الامکان اگر ہو سکے، ہاں! یہ بحث آئی ہے کہ کیا ہر چیز کا متبادل ہم پیش کرتے رہیں؟ میں نے اس پر بھی بحث کی، جس میں، میں نے عرض کیا ہے کہ ہر چیز کی ذمہ داری پیش کرنا علماء کی ذمہ داری نہیں ہے جو چیز مقاصد شریعت ہی کے خلاف ہے اس کا متبادل ہمیں پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، اگر کہے کہ ''جوے'' کا کوئی متبادل دیدو ہمیں، تو ہم اس کا متبادل دینے کے مکلف نہیں ہیں، اس واسطے کہ وہ مقاصد شریعت کے ہی خلاف ہے۔ بینکاری کے نظام میں بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جو مقاصد شریعت کے ہی خلاف ہے مثال کے طور پر آج کل آکشن وغیرہ چلے ہوئے ہیں ان کا کوئی متبادل ہمیں دینے کی ضرورت نہیں، لیکن ایک چیز ایسی ہے کہ جو مقاصد شریعت کے مطابق ہے، وہ یہ ہے لوگوں کے پیسے جو بچت کے انہوں نے رکھے ہوئے ہیں اپنے گھروں میں، تجوریوں کے اندر یا اپنے گھر کے لاکروں میں تو وہ ویسے پڑے رہنے کے بجائے ملک کی معیشت و تجارت کے فروغ میں صنعت کے کام آئیں، یہ بات مقاصد شریعت کے مطابق ہے، تو اس کے متبادل پیش کرنے کا اگر ہمیں موقع ملے تو ضرور پیش کرنا چاہیئے اور امت کو صریح حرام سے بچانے کے لئے ایسا متبادل راستہ پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے۔

ایک طریقے سے ہماری ذمہ داری بھی ہے کہ فقیہ صرف فتویٰ دینے والا نہیں ہوتا، وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے، اور داعی کا کام یہی نہیں ہے صرف حرام کہہ دے، تو اس واسطے کوئی ایسا متبادل پیش کرنا ہے کہ جس میں کوئی شرعی محذور نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ مناسب ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں امت کو حرام کی طرف سے بچانے کے لئے ضروری ہے تو یہ چند فقہی مباحث و مسائل تھے، ظاہر

یہ تمام مسائل کا احاطہ سو اس مجلس میں ممکن نہیں ہے، مگر یہ تین، چار باتیں تھیں، جو اعتراضات کے اندر مذکور تھیں جو میرے سامنے آئیں اور بھی بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں ان کے اوپر گفتگو بھی ہوسکتی ہے اور ہر وقت گفتگو کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس میں جو کچھ ہم نے سوچا ہے وہ کوئی حرف آخر نہیں ہے، ہم کوئی عقل کل نہیں ہیں، جب بھی کوئی ایسی بات آئے کہ جو فقہی اعتبار سے قابل غور ہو، قابل نظر ثانی ہو، اس کے لئے ہمیشہ الحمد للہ تیار ہیں، اس میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہے، میرا خیال ہے اس وقت جتنی باتیں مجھے عرض کرنی تھیں، شاید وہ پوری ہوگئی ہیں۔

امت کے تمام طبقات اسلامی بینکاری پر اضطراب میں مبتلا ہیں۔

امکان ہے کہ اس نظام کے اجرا میں آپ سے غلطی ہوئی ہے،

مفتی محمد تقی عثانی کے نام مولانا سلیم اللہ خان کا خط

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ و بعد

احقر کو علم وفضل کے اعتبار سے جناب سے کوئی نسبت نہیں ہے، علم وفضل سے ہے ہی نہیں تو نسبت کیا ہوگی؟ البتہ اللہ ﷻ نے ایمان نصیب کی اہے، دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ ﷻ یہ زندگی ایمان والی زندگی اور کلمہ والی موت پر ختم فرمائے۔

۱۔ اسلامی بینکاری کے حوالے سے تشویش واضطراب عام ہے، علماء، عوام، بینکنگ سے متعلق افراد، تاجر وغیرہ سب موجودہ اسلامی بینکاری کو اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتے ہیں۔

۲۔ جتنے معتبر اور معروف دارالافتاء ہیں سب میں اس سلسلے کے استفتاء ہوتے ہیں اور جواز وعدم جواز سے متعلق سوالات کئے جاتے ہیں۔

۳۔ پاکستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ اضطراب موجود ہے، وہ بھی سوالات کرتے ہیں۔

۴۔ اس صورت حال سے دوسروں کی نسبت جناب کو زیادہ سابقہ رہتا ہوگا، کیونکہ آپ ہی پاکستان میں اس کے موجد ہیں۔

۵۔ علم وفضل کے اعتبار سے جو آپ کا مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے، دوسرا کوئی معصوم نہیں، اس کا امکان بہرحال موجود ہے اسلامی بینک کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔

نمبر۱، نمبر۲، نمبر۳ پر جو باتیں کہی گئی ہیں، اس غلطی کے ارتکاب کے لئے واضح دلیل ہیں، اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا اضطراب جس نے تمام طبقات کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، صحیح بات پر اضطراب نہیں ہوتا اور کوئی معاند مضطرب ہوتا ہے تو اس کی وجہ عناد ہوتی ہے، جب کہ موجودہ صورت میں امت کے تمام طبقات اس اسلامی بینکاری پر تشویش و اضطراب میں مبتلاء ہیں، یہاں عناد کا سرے کے کوئی احتمال موجود نہیں ہے، ان کا اضطراب اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔

۶۔ ''ربا'' کا معاملہ انتہائی نازک و سنگین معاملہ ہے، اس سلسلے کی وعیدوں سے آپ ہرگز بے خبر نہیں ہیں، چنانچہ احتیاط واجب ولازم ہے۔

۷۔ ''ربا'' میں '' شبهة الــــــربـــــا '' بھی حرام ہے، اگر حقیقت ''ربا'' کو قبول نہیں کیا جاسکتا تو '' شبهة الربا'' سے تو انکار ممکن نہیں۔

۸۔ ارباب فتویٰ کے بیانات اور دوسرے طبقات جو بینکنگ کے امور سے باخبر ہیں، ان کے بیانات مسلسل اخبارات ورسائل میں چھپتے رہتے ہیں، جس میں وہ اسلامی بینکاری کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں، اپنے دلائل بھی پیش کرتے ہیں، یقیناً یہ تمام بیانات آپ حضرات کے علم میں بھی آتے ہوں گے، ضروری تھا کہ آپ ان حضرات کو مطمئن کرتے اور ان کی طرح اپنے جوابات شائع کرتے اور نہیں تو ارباب فتویٰ جو آپ ہی کے حلقے کے حضرات ہیں ان سے رابطہ کرکے ان کی تسلی کا انتظام کیا جاتا جو نہیں کیا گیا، اگر کبھی کوئی مشاورت ہوئی ہے تو اس کے نتیجے میں اختلاف ختم نہیں ہوا، اعتراضات بدستور موجود ہیں اور تشویش واضطراب برقرار ہے۔

۹۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو ''اعلم الناس'' سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے معلومات کو ناقص فرماتے ہیں، مجھے تو آپ کی طرف اس قول کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی، اگر آپ کا یہ دعویٰ نہیں تو پھر وہی سوال ہوگا کہ آپ نے اشکال کرنے والوں کو مطمئن کیوں نہیں کیا؟ تاکہ اضطراب رفع ہوتا اور اگر آپ واقعی اپنے آپ کو عالم اور دوسروں کو ''ناقص العلم'' سمجھتے ہیں '' فهـــــــــو كما تراه '' یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہوگی، سورۂ جاثیہ میں:

" أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَ أَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
وَ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَ قَلْبِهِ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ غِشٰوَةً ط
فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ط أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○".

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب وتشویش کو دور کرنے کے لئے علماء اور اہل فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے ''عدم جواز'' پر جاری کیا جائے اور اس کا پورا ملک میں تشہیر کا اہتمام کیا جائے، ہم ہرگز تصادم کے خواہاں نہیں

ہیں، ہم تو دل و جان سے آپ کے ساتھ رہتے ہیں اور آپ کا احترام کرتے ہیں، امت کو ''ربا'' کی لعنت سے بچانے کے لئے اپنا شرعی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں، اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ فرض کہ ذمہ داری ہم پر لازم اور ضروری ہے اور اب تک جو کوتاہی ہم سے ہوئی ہے اس پر ہم استغفار کرتے ہیں، آپ کے لئے بھی دنیا و آخرت کی فلاح کا واضح تقاضہ ہے کہ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور غلط مفادات کے لئے اس پر مشورہ دینے والوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ".

''غیر سودی بینکاری نظام کو اغلاط سے پاک نہیں کہا جا سکتا''

اهل علم کو اس طریق کار میں اشکال هوتو میرا دروازه هر وقت کهلا هے

مفتی محمد تقی عثانی کا جوابی خط

بگرامی خدمت مخدومی و مکرمی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہفتہ 9 جمادی الثانیہ 1429ھ کو آنجناب نے بندہ کو ٹیلی فون پر یاد فرمایا اور بندے کے استفسار پر آنجناب نے بتایا کہ بینکاری کے سلسلے میں کچھ مشورہ کرنا ہے، جس میں کچھ ساتھی اور بھی ہوں گے اور اس کے لئے اتوار اور پیر کے بعد کوئی دن مقرر کر لیا جائے، چنانچہ بندہ نے منگل 21 جمادی الثانیہ کو عصر کے وقت آنجناب کی خدمت میں حاضری طے کر لی اور اس کے مطابق بندہ جامعہ فاروقیہ حاضر ہوا، جہاں شہر کے کچھ دوسرے علماء بھی تشریف لائے ہوئے تھے، خیال تھا کہ بینکاری سے متعلق شرعی مسائل کے بارے میں کوئی مشورہ ہوگا، لیکن آنجناب نے فرمایا کہ کوئی مذاکرہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ایک تحریر پڑھ کر سنائی جو بندے کے نام تھی اور اس کا نسخہ بندہ کو بھی عطا فرمایا اور اس کے بعد فوراً دعا کرا کر فرمایا کہ مجھے ہوائی اڈے جانا ہے، چونکہ یہ تحریر بندہ کے نام تھی، اس میں غیر سودی بینکاری کی کسی معین غلطی کی نشاندہی کے بغیر یہ فرمایا گیا تھا کہ:

''اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے اور آخر میں سورہ جاثیہ کی آیت کریمہ کے حوالے سے بظاہر یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی خواہش پرستی کی وجہ سے ہوئی ہے''۔

اس لئے یہ تحریر سننے کے بعد بندہ نے آنجناب سے کچھ عرض کرنے کی درخواست کی، جس پر آنجناب نے کچھ عرض کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ مجھے ائیرپورٹ جانا ہے، بندہ نے اختصار ہی کے ساتھ کچھ عرض کرنے کی درخواست کی اور کچھ جملے بولنے

شروع کئے تو اس پر بھی آنجناب نے اجازت نہیں دی اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔

بندہ آنجناب کا شاگرد اور نیاز مند ہے اور نہ جانے کتنے مسائل میں آنجناب سے استفادہ اور مشورے کا رابطہ رہتا ہے، لیکن بینکاری کے حوالے سے آنجناب نے اس سے قبل کبھی نہ اضطراب کا اظہار فرمایا نہ اس موضوع پر کبھی بات کی نہ بندہ کا موقف معلوم فرمایا۔ بینکاری کے حوالے آنجناب سے کسی قسم کی کوئی بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا، جسے آنجناب نے ہی مشورے کا عنوان دیا تھا، لیکن بندہ کی کوئی بات سنے بغیر یہ یک طرفہ تحریر سنا کر بندہ کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ دینا ایسا معاملہ ہے جس کی کوئی توجیہ بندہ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اگر اس وقت سفر پر تشریف لے جانا طے تھا تو اس ملاقات کے لئے اس وقت کے بجائے کوئی اور وقت بآسانی رکھا جاسکتا تھا، بندہ خطاؤں کا پتلا ہے اور اللہ ﷻ کی پردہ پوشی پر ہی گزارہ ہو رہا ہے، نہ جانے کتنی غلطیاں بندے سے سرزد ہوتی ہیں، آنجناب تو بندے کے استاذ ہیں جو لوگ ضابطے میں بندے سے چھوٹے سمجھے جاتے ہیں، ان کی طرف سے بھی اگر کوئی غلطی کی نشاندہی ہوئی ہے، بندہ تو اس پر ممنون ہو کر غور کرتا ہے، اور غلطی واضح ہونے پر اس کا اعلان واعتراف شائع بھی کرتا ہے، لہٰذا غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں بندے سے جو غلطی ہوئی ہے، کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی متعین نشاندہی کے بعد بندے کا مؤقف بھی ٹھنڈے دل سے سن لیا جاتا............؟

بہرحال! چونکہ آنجناب نے بندہ کو اپنا مدعا پیش کرنے کا موقع عطا نہیں فرمایا، اس لئے اس خط کے ذریعے کچھ طالب علمانہ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں، آنجناب کے اخلاق کریمانہ سے درخواست ہے کہ ان گزارشات کو از راہ کرم بغور ملاحظہ فرمائیں، ان کا مقصد خدانخواستہ کوئی بحث ومباحثہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ الحمدللہ طلب حق اور صورت حال کی وضاحت ہے۔

پاکستان میں بینکوں کو "سود" کی لعنت سے پاک کر کے انہیں شرعی اصولوں کے مطابق کی خواہش تو ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ سب کو رہی اور انہوں نے اس کے لئے ابتدائی کوششیں بھی کیں، لیکن اس کے لئے سب سے پہلے ایک منظم تجویز 1980ء میں "اسلامی نظریاتی کونسل" نے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی، حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ ابتداء میں کونسل کے رکن تھے، اسی وقت کونسل کا ایک بنیادی کام غیر سودی بینکاری متعین کرنے کو قرار دیا گیا تھا، لیکن اس رپورٹ کی تیاری کے وقت حضرت رحمہ اللہ کی وفات ہو چکی تھی، اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو رکن بنایا گیا تھا، نیز اس وقت حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین کاکاخیل اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی رحمہما اللہ اور یہ نیاز مند کونسل کے ارکان میں شامل تھے، یہ رپورٹ وسیع پیمانے پر اردو وانگریزی میں شائع ہوئی، بحیثیت مجموعی اس کو سراہا گیا اور اس پر کوئی اشکال اس وقت سامنے نہیں آیا، جب اس رپورٹ کی تنفیذ کا وقت آیا تو نافذ کرنے والوں نے اس میں ایسی تبدیلیاں کر دیں، جن کی وجہ سے اس رپورٹ کی تجاویز کا حلیہ بگڑ گیا، غیر سودی بینکاری ایک دھوکہ ہو کر رہ گئی، اس موقع پر اس دھوکے کے خلاف سب سے پہلے بندے ہی نے آواز اٹھائی، اخبارات اور مضامین کے ذریعے حقیقت حال سے عوام کو آگاہ کیا، لیکن ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ غیر سودی بینکاری کے تصور ہی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اصلاح کی

صورتیں پیدا کی جائیں، چنانچہ صحیح متبادل طریقے اختیار کرنے کے لئے اس وقت شعبان 1412ھ میں دارالعلوم کراچی میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا اجلاس بلایا گیا تھا جو غالباً کئی روز تک جاری رہا تھا، اس میں دارالعلوم کے اصحاب فتویٰ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ صاحب، حضرت مولانا مفتی وجیہ صاحب، حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی محمد انوار صاحب مدظلہ بھی شامل تھے، اس وقت متبادل طریقوں کا تعین کرنے کے لئے ایک تحریر پر سب نے اتفاق کیا، البتہ مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے بحیثیت مجموعی اتفاق کرنے کے ساتھ تین نکات سے متعلق اختلاف فرمایا۔ یہ پوری تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ''احسن الفتاویٰ'' ساتویں (۷) جلد میں صفحہ 21 پر ''بلاسود بینکاری'' کے عنوان سے شائع فرمائی ہے۔

اس تحریر کے ذریعے چند متبادل طریقوں پر بحیثیت مجموعی مجلس کا اتفاق ہوگیا تھا، اس لئے اسی بنیاد پر ملکی بینکوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی، لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی، اسی دوران عرب ممالک میں ''غیر سودی بینکوں'' کے قیام کی تحریک نے زور پکڑا اور وہاں اس قسم کے بینک قائم ہونا شروع ہونے لگے، ان کے طریقہ کار کے بارے میں '' مجمع الفقۃ الاسلامی '' کے اجلاسات میں غور ہوتا رہا، اور اس کی قراردادوں میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا تھا اور ان کی تائید میں مفصل مقالات مجمع کے مجلّہ میں شائع ہو چکے ہیں، دوسری طرف ہندوستان میں مولانا مجاہد القاسمی صاحب رحمہ اللہ نے ''مجمع الفقۃ الاسلامی '' ہند کے نام سے جو ادارہ قائم کیا تھا اس کے مختلف اجلاسات میں بھی یہ یہ موضوعات زیر بحث آئے، جن میں علمائے ہندوستان نے تحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے، پھر چونکہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لانے کے لئے اور بھی بہت سے کام ضروری تھے، اس لئے عالم اسلامی میں ان کاموں کے لئے الگ الگ ادارے قائم ہوئے، انہی میں سے ایک ادارہ '' المجلس الشرعی '' کے نام سے قائم ہوا، جو اس وقت 20 علماء پر مشتمل ہے اس کے ارکان میں:

۱۔ شیخ محمد صدیق الضریر (سوڈان)
۲۔ شیخ وھبة الزحیلی (شام)
۳۔ شیخ سعید رمضان البوطی (شام)
۴۔ عبداللّٰہ ابن سلیمان بن منیع (سعودی عرب)
۵۔ شیخ عبدالرحمٰن الأطرم (سعودی عرب)
۶۔ شیخ عجیل النشمی (کویت)
۷۔ شیخ عبدالستار أبو غدہ (شام)
۸۔ شیخ علی محی الدین القرہ داغی (عراق)
۹۔ شیخ نظام یعقوبی (بحرین)

جیسے معروف علماء شامل رہے ہیں، اس مجلس نے غیر سودی بینکوں سے تفصیلی طریق کار متعلق متعین "معایير" تیار کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے، جس میں زیر بحث امور سے متعلق کسی ایک عالم سے کتب فقہ کی روشنی میں ایک مفصل مقالہ اور متعلقہ موضوع پر ایک پر ایک متن تیار کرایا جاتا ہے، جو بطور معیار مالیاتی اداروں میں نافذ کیا جاسکے، اس متن پر مجلس شرعی میں بحث ہوتی ہے، جو کئی کئی دن جاری رہتی ہے، اختلاف آراء کو کھلے دل سے سن کر اس پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے اور جب ایک مسودہ تیار ہو جاتا ہے تو ان علماء کا ایک اجتماع منعقد ہوتا ہے جو مجلس شرعی کے رکن نہیں ہیں، مگر ان موضوعات پر تحقیق و تصنیفی کام کر رہے ہیں، یہ اجتماع " جلسة الاستماع " کے نام سے ہر "معایير" پر دوبارہ غور کرنے کے لئے منعقد ہوتا ہے، اور علماء کی آراء سنی جاتی ہے، پھر مجلس ان آراء کی روشنی میں مسودے پر دوبارہ غور کرتی ہے، اور تیسری خواندگی کے بعد اسے "معایير" کے طور پر شائع کیا جاتا ہے، اب تک اس طرح 30 "معایير" شائع ہو چکے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلہ میں بندہ نے جو بھی کام کیا ہے وہ تنہا اپنی انفرادی رائے کی بنیاد پر نہیں بلکہ "اسلامی نظریاتی کونسل" کی رپورٹ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کی تحریر، " مجمع الفقہ الاسلامی" کی قرار دادوں اور " المجلس الشوریٰ " کے صادر کیئے ہوئے "معایير" کی بنیاد کیا ہے۔

پھر یقیناً اس طریقہ کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا اور اگر کسی غلطی کی نشاندہی ہو جاتی ہے، تو اس کی تدارک کی پوری کوشش کی جاتی ہے، نیز اگر اب بھی اہل علم کو اس طریقہ کار میں اشکال ہو تو یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ اشکال سامنے آئے اور اس پر فقہی نکتہ نظر سے غور کیا جائے، کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الرشید کے حضرات نے کراچی کے اہل فتویٰ حضرات کے لئے تقریوں کے ایسے سلسلے کا اہتمام کیا، جس میں غیر سودی بینکاری کے مروجہ طریقوں کی وضاحت کی جائے، ہمارے دارالعلوم کراچی کے ایک استاد مولانا حسان کلیم صاحب نے توضیحی تقریروں کا یہ سلسلہ شاید ڈھائی ماہ تک جاری رکھا، جس میں مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اور مولانا مفتی محمد منظور مینگل صاحب بھی اہتمام سے شریک ہوئے تھے۔ اسی وقت جامعۃ الرشید کے منتظمین اور خود مولانا حسان کلیم صاحب نے یہ وضاحت کی کہ سلسلے کی تکمیل کے بعد ان میں سے جن امور پر فقہی اشکالات ہوں، انہیں مرتب کرلیا جائے اور پھر ایک نشست مفتی محمد تقی عثمانی کے ساتھ رکھ لی جائے، جن میں ان اشکالات پر گفتگو ہو جائے، مفتی ابولبابہ صاحب نے مجھ تک یہ پیغام بھی پہنچایا اور بندہ نے بخوشی ایسی نشست میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن پھر نہ کوئی اشکالات مرتب کئے گئے، نہ ایسی کسی نشست کا اہتمام ہوا، جس کا تاثر مولانا حسان کلیم نے یہ لیا کہ شاید کوئی قابل ذکر اشکالات باقی نہیں رہے۔

آنجناب نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے چاہئے کہ جن حضرات کو اس معاملے میں تشویش تھی ان کو مطمئن کرتا، بندے کی گزارش یہ ہے کہ اپنی دانست اور بساط کے مطابق بندہ تحریر و تقریر اور انفرادی سوالات کے جوابات میں صورت حال کی وضاحت کرتا رہا ہے، کم از کم تین کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں، اور تین مرتبہ علمائے کرام کے سامنے یہ مسائل پیش کرنے کے لئے دارالعلوم میں مفصل کورس منعقد کئے ہیں، جن میں دارالعلوم سے باہر کے علمائے کرام کو بھی دعوت دی گئی اور کراچی و بیرون کراچی

سے متعدد معروف مدارس کے اساتذہ اور علماء حضرات نے شرکت بھی فرمائی، نیز مختلف دورانیوں کے مسلسل کورسوں کا سلسلہ تا حال جاری ہے، جس میں معروف مدارس کے علماء بھی شریک ہوتے ہیں، جن حضرات کو تشویش تھی وہ اگر اپنی تشویش سے بندے کو مطلع فرماتے اور اس پر فقہی انداز میں گفتگو ہو جاتی تو اگر میری غلطی ثابت ہوتی تو میں اس سے رجوع کر لیتا اور اگر ان کو غلط فہمی ہوتی تو وہ دور ہو جاتی۔

بندہ تمام علمائے کرام اور اہل فتویٰ کا نیاز مند ہے، ان سب سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں، ٹیلی فون پر بھی بات ہو جاتی ہے، دوسرے موضوعات بھی زیر گفتگو آتے رہے ہیں، کبھی کسی نے اشارتاً یا کنایتاً بھی مجھ سے اس بارے میں گفتگو نہیں فرمائی، آنجناب نے بھی کبھی بھی کسی ملاقات میں اس طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا، بلکہ اب معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کراچی کے علماء کے ساتھ آنجناب نے متعدد اجتماعات منعقد فرمائے ہیں، ان اجتماعات میں بھی آنجناب نے اپنے اس نالائق شاگرد کو بلانے کی ضرورت نہ سمجھی، اور نہ ان کی کارروائی اور ان کی گفتگو سے باخبر کرنا ضروری سمجھا، کل پہلی بار آنجناب نے طلب فرمایا تو بندہ حاضر ہو گیا، لیکن جناب نے کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور جو تحریر عطا فرمائی اس میں بھی بینکاری کے معاملات سے متعلق کسی غلطی کی کوئی نشاندہی نہیں ہے، صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ اس معاملے میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے، اول تو اس بندے کو اس درجے اضطراب کا واقعی علم نہیں ہے، جس کا آنجناب نے ذکر فرمایا ہے، دوسرے قسم کا اضطراب تو لال مسجد کے قضیے میں وفاق المدارس کے بارے میں بھی رہا ہے، لیکن کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وفاق کا مؤقف غلط تھا؟

آنجناب نے یہ بھی فرمایا ہے:

''یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو ''أعلم الناس'' سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں''۔

اللہ ﷻ گواہ ہے کہ بندہ نے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی، ''أعلم الناس'' کہنا یا سمجھنا تو درکنار اس بات کا تصور بھی کبھی نہیں آیا، نہ دوسروں کے بارے میں کبھی بندہ نے تنقیص کی کوئی بات کی، اب بھی اگر کسی عالم کی طرف سے کسی غلطی کی نشاندہی ہو اور دلیل سے ثابت ہو جائے تو انشاء اللہ اس کے اعتراف و اعلان میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

آنجناب نے میزان بینک کے عملے کے بارے میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں، وہ واقعتاً قابل اعتراض ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بندہ یا شریعہ بورڈ کا کوئی رکن، بینک کا نہ مالک ہے، نہ بینک کا حصہ دار ہے، نہ بینک کا انتظامی معاملات اور عملے کے تقرر سے ہمارا کوئی تعلق ہے، ہمارا کام تجارتی عقود، معاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی حد تک ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں، اس کے باوجود میں وقتاً فوقتاً اس بارے میں بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتا ہوں، جس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہوا ہے، لیکن یہ خرابی بہر حال ابھی تک موجود ہے، اور اس کے ازالے کی ممکنہ کوشش بھی ہو رہی ہے، لیکن یہ ظاہر ہے، محض عملے کی وضع قطع کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو تجارتی معاملات بینک میں ہو رہے ہیں، وہ حرام ہیں۔

آنجناب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب اور تشویش کو دور کرنے کے لئے علماء اور مفتیان کام سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز پر شائع کیا جائے اور اس کی پورے ملک میں تشہیر کا اہتمام کیا جائے''۔

اس سلسلے میں دو گزارشیں کرنا چاہتا ہوں، اول تو جب آنجناب نے یہ فیصلہ فرمالیا ہے کہ فتویٰ عدم جواز ہی کا ہوگا تو پھر ''مشاورت'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

دوسرے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں، بلکہ عالم اسلام کے اکثر خطوں میں الحمدللہ ''سود'' سے پاک مالیاتی اداروے قائم کرنے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے، اور پچھلے تیس چالیس سال سے تقریباً تمام عرب ممالک سمیت ملائیشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، برونائی وغیرہ میں اور مغربی ممالکوں میں سے برطانیہ، امریکہ میں ایسے ادارے بڑی تعداد میں قائم ہو رہے ہیں، جن کی رہنمائی ان علاقوں کے علمائے کرام کرتے ہیں، یہ سارے کے سارے علماء مشائل یا مداہن نہیں ہیں، ان میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے علم کے ساتھ ان کا ورع وتقویٰ بھی ظاہر وباہر ہے، پھر چونکہ ''سودی'' نظام نے دنیا بھر کو اپنے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، اس لئے اس کام لئے مناسب فضا تیار کرنے کے لئے بہت سے معاون اداروں کی ضرورت تھی جو رفتہ رفتہ وجود میں آئے ہیں، مثلاً متعدد مقامات پر تاجروں اور پیشہ ور حضرات کو معاملات سے متعلق اسلامی احکام شرکت، مضاربت، مرابحہ، اجارہ، کفالہ، رہن، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، شرق اوسط کے علماء خاص طور پر ان اداروں کی رہنمائی کے لئے کتابیں، رسالے اور تحقیقی مضامین لکھ رہے ہیں اور اس موضوع پر شائع شدہ مواد بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تک پہنچ چکا ہوگا، اب عام یونیورسٹیاں بھی اس موضوع کو داخل نصب کرنے لگی ہیں، اسی طرح بلاسود بینکاری کے لئے اکاؤنٹ کے معیار بھی سودی بینکوں سے مختلف ہونا ضروری ہیں، اس کے لئے اکاؤنٹ کے ''معاییر'' بحرین کے ایک ادارے نے تیار کئے ہیں، کمپیوٹر کے پروگراموں میں تبدیلی کی ضرورت تھی، وہ کام الگ ہوا ہے، مرکزی بینکوں کے قواعد غیر سودی بینکوں کے الگ ہونے چاہئیں، چنانچہ پاکستان سمیت کئی مرکزی بینکوں میں اس غرض کے لئے الگ شعبہ قائم کرکے غیر سودی بینکوں کے الگ قواعد بنائے گئے ہیں۔ اس اداروں کی درجہ بندی کے لئے الگ معیار کی ضرورت تھی، جس میں شرعی احکام کی پابندی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، اس کے لئے ان اداروں کی الگ ریٹنگ ایجنسی قائم ہوئی ہے اور یہ سارا کام لادینی حلقوں کی شدید مخالفتوں کے علی الرغم ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یقیناً ان اداروں کو غلطیوں اور خامیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا، بالخصوص جب کہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس کے لئے موزوں رجال کا فراہمی ایک مستقل مسئلہ ہے اور اسے ہر قدم پر ''سودی'' نظام کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے، لیکن بندہ یہ سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ حتی الامکان ان خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جائے، نہ یہ کہ ان خامیوں کی وجہ سے غیر سودی بینکاری کے اس سارے کام کو بیک جنبش قلم رائیگاں اور ناجائز قرار دے کر اس سے بالکل قطع تعلق کرلیا جائے۔

اس سے بظاہر یہ ادارے ختم تو نہ ہوں گے، لیکن اول تو ان خامیوں میں اور اضافہ ہوگا اور دوسرا مسلمانوں کے درمیان خلفشار بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں دراصل ان لادینی قوتوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو ان کوششوں کے دشمن ہیں اور جن کا عین مفاد یہ ہے کہ غیر سودی بینک ناکام ہوں اور ان کے پروپیگنڈے کو تقویت حاصل ہو کہ "سود" کے بغیر تجارت و معیشت چل نہیں سکتی۔

یہ چند طالب علمانہ گزارشات تھیں جو بندہ آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ امید ہے کہ آنجناب ان پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

والسلام: بندہ تقی عثمانی عفا اللہ عنہ

اسلامی بینکاری حرام یا حلال

مستفتی کسی بھی مفتی کے بات پر عمل کرسکتا ہے۔ مفتی محمد رفیع عثمانی

مفتی صاحبان کسی معاملے کو ناجائز بتلاکر ذمے داری پوری نہیں کرسکتے بلکہ، انہیں جائز راستہ بھی دکھانا ہوگا

اسلامی بینکاری حلال یا حرام؟ اس موضوع پر گزشتہ 7 اقساط میں قارئین امت نے ممتاز علمائے دین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خیالات سے آگاہی حاصل کی۔ اس کے علاوہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے فتوے کی روشنی میں مضامین بھی شائع اشاعت کیے گئے، آج آخری قسط میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کا وہ خطاب پیش کیا جارہا ہے جو انہوں نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں دیا، اس خطاب میں انہوں نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے عام افراد

کے ذہنوں میں موجود ابہام کو کافی حد تک دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلامی بینکاری کے موضوع سے متعلق تمام باتیں تفصیلاً سامنے آچکیں، دو، تین باتیں اس کے حواشی سے متعلق میں عرض کرتا ہوں جو صورت حال درپیش ہے۔

ایک پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے فقہی مسائل میں جس میں کوئی نص صریح موجود نہ ہو، مسائل پیش آجائیں جن کو فقہ کی اصطلاح میں ''نوازل'' بھی اور ''واقعات'' بھی کہتے ہیں، اس میں جب نص صریح موجود نہ ہو تو ہمارا کام یہ ہے کہ ہم مقلد ہیں تو اپنے امام کے قول کو دیکھیں گے، وہ بھی صریح نہ ملے تو بعد کے مجتہدین فی الفقہ، مجتہدین فی المذاہب یا اصحاب الترجیح کے اقوال کو یا مجتہدین فی المسائل کو ہم دیکھیں گے اور مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ ابھی بند نہیں ہوا، الحمدللہ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے امداد الفتاویٰ اور ہمارے دوسرے بزرگوں کے فتاویٰ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ہمارے والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) کے فتاویٰ غرض مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ چل رہا ہے۔

لیکن ہمارے ان بزرگوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جو بھی ایسا مسئلہ ہو کہ جس میں عموم بلویٰ ہو، پورے عالم اسلام سے متعلق ہو یا پورے ملک سے متعلق ہو تو اس میں تنہا انفرادی رائے سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے، بلکہ مشورہ کرتے تھے، اگر مجلسیں منعقد نہ ہوتی تو فتوے کے تحریر تجویز کے طور پر لکھے دوسرے دارالافتاؤں میں بھیجی، جب سب کی رائے معلوم ہوگئی تو پھر فتوے کو شائع کیا جاتا کہ حیلہ ناجزہ کے اندر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ہمارے والد صاحب اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ نے مل کر یہ کام کیا اور تمام دارالافتاؤں سے رجوع کیا، علمائے مالکیہ سے خط وکتابت ہوتی رہتی تھی۔

دارالعلوم کراچی میں ''مجلس مسائل حاضرہ'' کا حال آپ جانتے ہیں یہی کوشش ہوتی رہی ہے کہ اجتماع غور وفکر کے بعد فتویٰ جاری ہو، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ اجتماعی غور وفکر کے نتیجے میں سب کا اتفاق رائے ضرور ہو جائے، مجتہدین مسائل میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اپنا واقعہ سناتے تھے کہ ایک مستفتی نے دارالعلوم دیوبند ایک فتویٰ بھیجا، جب والد صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی تھے، اور کہتے ہیں کہ اس نے غضب یہ کیا کہ اسے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس بھی بھیج دیا، جب دونوں جواب اس کے پاس پہنچے تو دونوں مختلف تھے، میرا کچھ اور جواب تھا اور میرے شیخ کا کچھ اور جواب تھا، تو میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے اس پر غور ہونا چاہیئے، غور وفکر ہوا تو میں حضرت کی رائے سے مطمئن نہ ہوسکا، بعد میں حضرت کو مطمئن نہ کرسکا تو حضرت نے فرمایا تم اور غور کرو، میں اور غور کرتا رہا، پھر دوسری مجلس طے ہوئی، میں تیاری کر کے گیا، حضرت نے بھی غور فرمایا ہوگا، بیٹھے مگر مسئلے میں اتفاق رائے نہ ہوسکا، پھر غالبا! تیسری مجلس ہوگئی، اس میں بھی یہی ہوا، حضرت اپنی رائے پر قائم رہے اور میں اپنی رائے سے نہ ہٹ سکا تو حضرت نے فرمایا دیکھو! اس مسئلے میں ہمارا اور تمہارا اختلاف ہے، اب اس اختلاف کا اظہار

کر دینا چاہیئے مستفتی کو بتا دیں کہ ہمارا اختلاف ہے اور ایسی حالت میں اصول فتویٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ مستفتی کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مفتی کے قول پر اس کو اطمینان ہو جائے اس پر وہ عمل کر لے، اس کے لئے حلال ہے نہ اس پر تنقید کی ضرورت ہے نہ اس کے بارے میں بدگمانی و بدزبانی کی ضرورت ہے تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے مستفتی کو اطلاع کر دی، اس نے مزید غضب کیا کہ اس نے عمل میرے فتوے پر کر لیا، مگر شیخ شیخ رہا اور مرید مرید رہا اور مستفتی کے دل میں ادنیٰ سا کوئی شائبہ بھی بدگمانی یا بدزبانی کا نہیں آیا۔

تمام ائمہ مجتہدین کا آپس میں اختلاف ہوتا رہا ہے، اور اپنے قول سے رجوع بھی کرتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے قول جدید اور قول قدیم کیا ہیں......؟ رجوع ہی تو ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے کتنے مسائل میں رجوع کیا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ترجیح وراجح امداد الفتاویٰ میں لکھی ہوئی ہیں، والد صاحب رحمہ اللہ کے **"امداد المفتیین"** کے اندر اختیار وصواب کے لئے ایک پورا باب اسی کام کے لئے لگا ہوا ہے، **"امداد المفتیین"** کا جو سب سے آخری نسخہ چھپا، اس میں سب سے آخری فتویٰ جو ہے اس میں والد صاحب رحمہ اللہ نے رجوع کیا ہے، حیلہ زکوٰۃ سے متعلق فتویٰ تھا اور فرماتے ہیں کہ یہ رجوع کرنا ٹھیک نہیں ہے کہ اصل فتویٰ تو دیا کسی رسالے میں یا تپاک کے ساتھ اور رجوع کر لیا چھوٹی سی مجلس میں، رجوع بھی اسی طرح اعلان کے ساتھ ہونا چاہیئے، ہمارے ہاں تو بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے، کبھی کسی رجوع میں کوئی شرمایا نہیں۔

لیکن ہمارے زمانے میں یہ نیا حادثہ پیش آیا ہے، میں سمجھتا ہوں یہ پہلے نہیں تھا، ہمارے ہاں، **12** سال پہلے تک نہیں تھا، بلکہ میں تو کہتا ہوں اس واقعے سے پہلے نہیں تھا، پاکستان میں بھی ہندوستان میں بھی نہیں تھا، اختلاف رائے ہوا کرتا تھا تو اختلاف رائے کرنے والوں کو ثواب ملا کرتا تھا، کسی کا قول صحیح، کسی کا قول غلط ہو سکتا تھا، لیکن ثواب سب کماتے تھے اور سب کی عظمت ایک دوسرے کے عوام کے دلوں میں بڑھتی تھی، دل کے اخلاص وتقویٰ کی وجہ سے اور اگر کسی کو اپنی کوئی غلطی معلوم ہو جاتی تھی تو وہ رجوع بھی کر لیتا تھا، اس میں شرماتا نہیں تھا، اس رجوع کے کرنے سے اس کی عزت میں ادنیٰ کمی نہ آتی تھی **"من تواضع لله رفعه الله"** کا وعدہ پورا ہوتا تھا، لیکن یہ حالیہ واقعہ جو پیش آیا ہے، ایک سال کے اندر اندر یہ تو پورے طبقہ علماء کے لئے لمحہ فکر یہ ہے یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے طبقے میں............؟ علمائے دیوبند میں............؟ ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے یاد رکھنے کی بات ہے تخصص فی الفتویٰ ہمیں والد صاحب نے شروع کر دیا تھا اور پھر الحمد للہ ان کی خدمت میں رہ کر فتویٰ کا کام عرصہ دراز تک کرنے کی توفیق عطا ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا اتنا بڑا احسان ہے، میں بیان نہیں کر سکتا، میں کچھ نہیں، لیکن بہت کچھ انہوں نے ہمارے دلوں میں گھول کے پلا دیا، والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجتہد فیہ مسائل (جہاں نص صریح نہ ہو وہ مجتہد فیہ مسائل ہیں) ان میں اختلاف رائے ہونا بالکل ممکن ہے۔ ہوگا، بلکہ ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ جب آدمی عقل مند بھی ہوں اور دیانت دار بھی ہوں، ایسے مسائل میں جب غور وفکر کریں گے تو اختلاف ضرور پیدا ہوگا۔

اتفاق رائے کی صرف دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ سب کے سب بے وقوف ہوں یا دوسرا یہ کہ ہوں تو سمجھ دار مگر منافق ہوں کہ ایک نے ایک رائے پیش کر دی، دوسرے نے اس کو خوش کرنے کرنے کے لئے ہاں میں ہاں ملا دی، جہاں دیانت داری بھی

ہوگی اور سمجھ داری بھی ہوگی تو اختلاف ضرور ہوگا اور یہ وہ اختلاف ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے دور سے چلا ہے، ائمہ مجتہدین کے دور سے ہوتا ہوا ہمارے بزرگوں تک پہنچا ہے۔ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے اور فرمایا کہ اس مہم کے مسائل میں کوئی جہت منکر نہیں ہوتی، کوئی رائے منکر نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول لے لیجیے، امام شافعی و امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا کوئی قول مذاق نہیں ہے، اسی طریقے سے کسی امام کا کوئی قول منکر نہیں۔ فرمایا کہ جب مجتہد فیہ مسائل میں کوئی جہت منکر نہیں ہوتی تو اس پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے، یہ جملہ ہے والد صاحب رحمہ اللہ کا۔

اب یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے ہاں؟ یہ فتویٰ ہے؟ یا سیاست کا کوئی اکھاڑا ہے۔ ہم بھول گئے تمام اصول افتاء کو تمام بزرگوں کے طریقے اور تعلیمات کو اور یہ طریقہ اختیار کر لیا اسلامی مسائل کے لئے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر۔

دوسری یہ متبادل راستے کی بات آئی، اپنے بزرگوں کی باتیں ہمارے پاس ہیں، اور ہے کیا ہمارے پاس ابھی متبادل کی مثال، نظیر آپ نے سن لی۔ تمر خیبر کے بارے میں حضرت بلال ﷺ کو فرمایا، وہ حیلہ تو تھا اور کیا تھا؟ طریقہ بتا دیا کہ یہ ہے ناجائز اور پھر اس کا جائز طریقہ بتلایا، متبادل طریقہ بتایا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا امداد الفتاویٰ اٹھا کر دیکھیں، جس میں بیع وشراء وشرکت ومضاربت وغیرہ کے مسائل ہیں، اس میں آپ کو جگہ جگہ ملے گا کہ یہ جو طریقہ آپ نے پوچھا ہے تو صحیح نہیں ہے، البتہ اگر یوں کر لیا جائے تو وہ صحیح ہے، یہ طریقہ ہم نے والد صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں دیکھا جو روز مرہ فتاویٰ ہمارے سامنے وہ دیتے تھے اور بتاتے تھے، کبھی کوئی تنہا بات نہیں کہتے تھے کہ یہ حرام ہے ناجائز ہے، اس قسم کے معاملات میں جتنے عموم بلویٰ ہیں، لوگوں کی ضرورتیں ہیں، اگر ان کو حرام کر دیا جائے تو لوگوں کا کیا ہوگا؟ تو وہ مایوس ہو کر حرام میں مبتلا ہوں گے یا کاروبار کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے اور پھر بعض لوگ خدانخواستہ ایسے بھی ہوں گے کہ وہ یہ سمجھیں گے اس زمانے میں اسلام پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے تو والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں خاص طور سے ناجائز معاملات بیع وشراء کے اندر اتنے پھیل گئے ہیں کہ اس سے بچنا آسان نہیں رہا، اس زمانے میں مفتی کی ذمے داری اس پر ہرگز ختم نہیں ہوئی کہ اس سے جب کوئی مسئلہ بیع وشراء کے بارے میں ختم ہو جائیں تو وہ کہہ دے کہ جی ناجائز ہے، بلکہ جیسے ذمہ داری اس کی یہ ہے کہ وہ ناجائز بتلائے ایسے ہی اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے اس کا جائز راستہ بھی بتلائے اور فرمایا کہ اگر نہیں بتایا جائے گا تو خطرہ ہے اس کا ایمان ہی نہیں باقی رہے، اس کے دل میں خیال آ جائے گا کہ اس زمانے میں دین پر عمل کرنا ہی ممکن نہیں ہے وہ علماء سے پوچھنا ہی چھوڑ دے گا۔

از: رعایت اللہ فاروقی

روزنامہ ''امت'' کراچی، 22 فروری، تا یکم مارچ 2009ء